# تعمیر حیات لکھنؤ

شعبہ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد (۱۰) شمارہ (۱۰)

چندہ: سالانہ ۸ روپے، ششماہی ۴ روپے

قیمت فی پرچہ ۳۵ پیسے


بسم اللہ الرحمن الرحیم

## ہمارے دو فیصلے


از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی


ہم مسلمانوں نے پورے عزم کے ساتھ سوچ سمجھ کر اپنے وطن ہندوستان میں رہنے کا فیصلہ کیا ہے، ہمارے اس فیصلہ کو اللہ ہی کے سوا کوئی طاقت نہیں بدل سکتی، ہمارا یہ فیصلہ کسی کم ہمتی یا مجبوری یا بے چارگی پر مبنی نہیں، ہم نے سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔

ہمارا دوسرا فیصلہ یہ ہے جو اپنے عزم اور قطعیت میں پہلے فیصلے سے کسی طرح کم اور کمزور نہیں کہ ہم اس ملک میں اپنے پورے عقائد و دینی شعائر اور اپنی پوری تہذیبی خصوصیات کے ساتھ رہیں گے، ہم ان کے کسی ایک نقطہ سے بھی دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں۔ اس ملک کے باشندے کی حیثیت سے ہمیں یہاں آزادی اور عزت کے ساتھ رہنے کا پورا حق حاصل ہے، یہ اس ملک کی جمہوریت اور دستور و آئین کا بھی فیصلہ ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہم اپنی خصوصیات، اپنے عقائد و شعائر، اپنی زبان و تہذیب اور اپنی ان چیزوں کو چھوڑ کر جو ہم کو عزیز ہیں اس ملک میں رہیں، اس لئے کہ اس طرح رہنے سے یہ وطن وطن نہیں بلکہ ایک جیل خانہ اور قفس بن جاتا ہے جس میں کسی پوری قوم کو زندگی کی عزتوں اور لذتوں سے محروم رکھ کر سزا دی جاتی ہے، ہمارا خمیر ضرور اس ملک کی خاک سے تیار ہوا ہے، اور یہ خاک ہمیں عزیز ہے، لیکن ہماری تہذیب ابراہیمی ہے، اور مسلمان جس ملک میں رہے گا اس کی حیثیت خواہ کچھ ہو، اس کی تہذیب ابراہیمی رہے گی، ہم یہاں زندہ، اور باعزت انسانوں کی طرح رہنا چاہتے ہیں، ہم اس ملک میں آزاد ہیں، اس کی تعمیر و ترقی میں شریک، اور دستور سازی میں دخیل ہیں، اس لئے اس کا کوئی سوال نہیں کہ ہم دوسرے درجے کے شہریوں کی طرح زندگی بسر کریں۔ اپنے ملک میں آزادی کے ساتھ زندگی گزارنا ہر شخص کا فطری، انسانی، اخلاقی اور قانونی حق ہے، اور اس حق کو جب بھی چھیننے کی کوشش کی گئی تو اس کے ہمیشہ سنگین نتائج نکلے۔

زندگی اور موت اسلام پر: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے اس بات کا مطالبہ کیا ہے کہ وہ اسلام و ایمان پر قائم رہنے کی کوشش کریں، اسی پر زندگی گزاریں اور جب موت آئے تو اسی دین و ملت پر آئے۔

وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ (آل عمران - ۱۰۲)

تم کو موت نہ آئے مگر اسی حال میں کہ تم مسلم ہو۔

اسی کی وصیت ابراہیم و یعقوب علیہم السلام نے اپنی اولاد کو کی۔

وَوَصَّىٰ بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ (البقرہ - ۱۳۲)

اسی طریقہ پر چلنے کی ہدایت ابراہیم نے اپنی اولاد کو کی تھی اور اسی کی وصیت یعقوب نے اپنی اولاد کو کی، انھوں نے کہا تھا میرے بچو! اللہ نے تمہارے لئے یہی دین پسند کیا ہے، لہٰذا مرتے دم تک مسلم ہی رہنا۔

شریعت اسلامی نے ایک مسلمان کے لئے پیدائش سے لے کر موت تک اس کے انتظامات کئے ہیں اور ایسا ماحول تعمیر کرنے کی کوشش کی ہے جس میں مسلمان اس حقیقت کو فراموش نہ کرنے پائے، اس کو ہر وقت یاد رہے کہ اس کا تعلق اس دین و ملت سے ہے، جس کے داعی ابراہیم و محمد علیہما السلام تھے، جس کی بنیاد توحید پر ہے، اور وہ "ایک الگ امت" ہیں، مسلمان بچہ جیسے ہی پیدا ہوتا ہے اس کے کان میں اذان دی جاتی ہے، اس کا اسلامی نام رکھا جاتا ہے، ناموں میں ان ناموں کو ترجیح دی گئی ہے جن میں عبدیت و توحید کا اظہار ہے، اس سے ابراہیمی سنتیں ادا کرائی جاتی ہیں، اور جب مرتا ہے تو سب اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہوئے اپنے اور سب مسلمانوں کے لئے دعا کرتے ہیں۔

اللّٰهم من أحييته منا فأحيه على الإسلام ومن توفيته منا فتوفه على الإيمان

اے اللہ ہم میں سے جس کو زندہ رکھ، اس کو اسلام پر زندہ رکھیو، اور جس کو موت دے اس کو ایمان کے ساتھ دنیا سے اٹھائیو۔


(باقی صـ۱۳ پر)

# ایک برِّ اعظم سے دوسرے برِّ اعظم کی طرف

از: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ترجمہ شمس الحق ندوی

[illegible]

فجر کے بعد ہم لوگ مصری ایئر لائنز کے دفتر گئے جو میدان ابراہیم پاشا کو روانہ ہو گئے ہیں [illegible] ساتھ [illegible] الشریف تھے قانونی کارروائیاں طے ہو گئیں اور بھائی عبد الرشید اسمٰعیل اور محمد مراد شامی اور احمد عسال رخصت کرنے کے لئے آئے میں نے ان کی محبت [illegible] کا شکریہ ادا کیا کہ وہ نیند [illegible] وقت میں رخصت کرنے آئے صبح [illegible] بجے ہم کو لے کر جہاز نے دمشق کی طرف پرواز کیا اور دو گھنٹے کے اندر ہم ہوا کے راستہ بر اعظم افریقہ سے بر اعظم ایشیا پہونچ گئے اور سوریہ کی حدود میں داخل ہو گئے اور ڈھائی گھنٹے کے اندر اندر ہم دمشق کے [illegible] ہوائی اڈے پر پہونچے اس طرح یہ طویل سفر تھکن اور صعوبت کا احساس کئے بغیر ختم ہو گیا۔ پاک ہے خدا کی ذات جس نے انسان کو وہ سکھایا جو وہ جانتا نہیں تھا۔

**دمشق میں:** میں نے بھائی عبداللہ [illegible] سے معلومات حاصل کیں اوسط درجے کے ہوٹلوں کے بارے میں پوچھا تھا انھوں نے ہم کو مرجہ کے قصر اندلس ہوٹل میں ٹھہرنے کا مشورہ دیا تھا یہ مناسب انتخاب تھا ہم ایک گھنٹے سے زیادہ ایئرپورٹ کی بس کا انتظار کرتے رہے جو ہم کو شہر میں واقع ایئرپورٹ کے آفس منتقل کرے گی بس اتنی لیٹ ہوئی کہ افریقہ سے ایشیا پہونچنے میں جو وقت لگا تھا اس سے کچھ ہی کم [illegible] دمشق سے دمشق پہونچنے میں لگ گیا، بہر کیف ہم لوگ قصر الاندلس ہوٹل پہونچے اور ایک کمرہ لے لیا۔ [illegible] دیر آرام کر کے ظہر کی نماز پڑھی۔

دمشق کا موسم بڑا خوشگوار تھا جو ہمارے ملک کا معتدل [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

**جامع شیخ محی الدین میں**

ہم [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] والوں سے [illegible] [illegible] ان لوگوں نے بتایا کہ شیخ محی الدین [illegible] سے ملیں اور ان سے شیخ احمد

کفتارو کو پوچھیں ان کی اس بات سے اس کے سوا میرے ذہن میں کچھ اور نہ آیا کہ شیخ یہاں کے مشہور لوگوں میں ہیں، تھوڑی دیر بعد اچانک ہمارا ذہن شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی طرف منتقل ہوا اور مجھے یاد [illegible] کہ وہ دمشق میں مدفون ہیں حیرت ہوئی کہ میرا ذہن اس وقت کہاں چلا گیا تھا شیخ کے نام سے جو محلہ منسوب ہے ہم اس میں گئے اور وہاں کی مسجد کی طرف چلا دیکھا تو مسجد بڑی خوبصورت اور نمازیوں سے آباد ہے [illegible] لوگوں کو نماز کے انتظار میں ذکر میں مشغول پایا کچھ لوگ تلاوت کر رہے تھے یہ عصر کی اذان سے پہلے کا وقت تھا جس نے دین کی حفاظت دیا بندی اور [illegible] دین کے اس بیش بہا سرمایہ کی حفاظت میں سوریہ کو ممتاز پایا۔ یہ مسجد بھی دوسری بہت سی مساجد کی طرح مزار پر بنی ہے اور اس میں کچھ نیک لوگ مدفون ہیں، ہم نے دیوار پر ایک تختی دیکھی جس میں (شیخ محی الدین) لکھا ہوا تھا، یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی کھلی ہوئی مخالفت تھی کہ (وان المساجد للّٰہ فلا تدعوا مع اللّٰہ أحدًا) مسجدیں اللہ کے لئے ہیں خدا کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔

عصر کی نماز کے بعد ہم لوگ شیخ محی الدین سے ملے جو دیوار پر یہ شعر لکھا ہوا تھا۔

أفلت شموس الأولين وشمسنا
أبداً على أفق العلى لا تغرب

(پہلے لوگوں کا سورج غروب ہو گیا، ہمارا سورج افق کی بلندی پر ہمیشہ درخشاں رہے گا، کبھی غروب نہ ہوگا، یہ بات مجھے حیرت ناک [illegible] ناپسندیدہ تھی۔

**جامع اموی میں:** ہم لوگوں نے شیخ احمد کفتارو کے گھر پر آواز دی اور ان کو پوچھا، بتایا گیا کہ وہ جامع اموی میں ہیں وہاں ان کا درس ہے اس حسن اتفاق سے میں خوش ہوا، خدا کو یہی منظور تھا کہ اس عظیم الشان اسلامی یادگار کی زیارت میں تاخیر نہ ہو جس کے بارے میں اس وقت سے پڑھتے رہے جب سے تاریخ کا مطالعہ شروع کیا ہم فیصل حیدری کی طرف روانہ ہوئے اور مشغول بازاروں سے گذرتے حتیٰ کہ اس عظیم الشان مسجد میں پہونچ گئے، ہماری نگاہیں جلد ہی اس شاندار عمارت پر پڑیں ہم اس کے بڑے دروازہ سے داخل ہوئے اور

کے دستے سے گذر کر مسجد کے اندر پہنچ گئے یہاں ہم کو مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد نظر آئی، کوئی نماز پڑھ رہا تھا کوئی تسبیح میں مشغول تھا، کوئی درس و تدریس میں، کچھ لوگ بیٹھے تھے ہماری نگاہیں ستونوں کے بڑے شہر پر پڑیں [illegible] پھر گئیں۔

**شیخ احمد کفتارو کے درس میں:** ہم لوگ بیکڑوں لوگوں پر مشتمل ایک بہت بڑے حلقہ کی طرف چلے جہاں لاؤڈ اسپیکر شیخ احمد کفتارو کی آواز کو دور تک پہنچا رہا تھا ہم لوگ بیٹھ کر غور سے سننے لگے کچھ دیر میں شیخ کی نظر ہم پر پڑی انھوں نے ہم کو دیکھ کر پہچان لیا اور ہم کو اپنے قریب بلا لیا ان کے اس مرتبت اور اکرام سے ہم کو تعجب ہوا اس لئے کہ شیخ کے بعد ہماری ان کی ملاقات نہیں ہوئی تھی اور زمان کو ہمارے دمشق روانہ ہونے کا علم [illegible] تقریباً دو گھنٹہ تک درس جاری رہا، سورہ بروج کا درس تھا مگر وہ ایک ایسا عام دینی درس تھا جو زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی تھا، شیخ کا آیات کو زندگی سے تطبیق دینے اور ملکی مسائل اور کائنات پر اقتصادی کے بغیر واقعات اور موجودہ حالات پر منطبق کرنے اور عام فہم میدان کے اتر آنے اور شام کی مقامی عام زبان میں بات کرنے کا انداز بڑا اچھا معلوم ہوا انھوں نے ملکوں میں [illegible] تعلیم اور نوجوانوں کے دین سے متعلق بیگانگی میں تربیت پانے [illegible] اور اس سے غفلت برتنے پر تنقید کی، المیہ فلسطین اور مسلمانوں کے اندر ٹھنڈی [illegible] ذہنیت کو پیش کیا کہ وہ برابر خاموشی و بزدلی میں مبتلا ہے ہیں۔

خدا کرے کہ دمشق و سوریہ پر یہودی غالب آ جائیں [illegible] اور اس ممبر پران کا پھریرا لگ جائے اس بات سے خوشی ہوئی کہ درس میں نوجوانوں اور مردوں کے حصہ کا تناسب اچھا خاصا تھا، درس ختم ہونے کے بعد مصافحہ و ملاقات ہوئی شیخ نے فرمایا کہ آپ کا ہر روز سعد [illegible] کے میں نے کہا کہ آپ و میرے سفر میں ہونے کا علم تھا؟ فرمایا ہاں مجھے معلوم تھا

۔۔۔ اس وقت وہ کئی سال سے شام کے مفتی اعظم ہیں۔

شیخ جنہ تو واقعی با عمر ہم لوگ اور دونوں طرف سے رخصت کرنے والوں کا ہجوم تھا۔ یہ ایک منظر تھا جو عہد اول کے علماء کی محبت دلنوازی اور فرض شناسی کی یاد تازہ کر رہا تھا۔ ہم لوگ شیخ کے گھر حی الاکراد گئے، وہیں افطار و کھانا کھایا اور بیٹھ کر باتیں کرتے رہے۔

۱۰ر ۹ر ... ھ مطابق ۶ جون ۱۹۵۱ء

**شیخ محمد بہجۃ البیطار:** میرے استاذ محترم شیخ تقی الدین ہلالی مراکشی سے شیخ محمد بہجۃ البیطار دمشقی کا نام سنا تھا، کبھی کبھی دینی علمی رسالوں میں بھی ان کا نام آتا رہتا تھا، میں ان کو علم سے بھرا ہوا ایک منبع سنت عالم کی حیثیت سے جانتا تھا، پھر میں نے سنا کہ المنار کا پرچہ سید رشید رضا کے انتقال کے بعد اس کی ادارت شیخ بہجۃ البیطار کے حوالہ ہوئی ہے اور عن قریب تفسیر المنار کی تکمیل کا کام بھی شروع کریں گے غرضیکہ شیخ جانی پہچانی اور ہم سے قریب کی شخصیتوں میں تھے، ہم پابندی سے المنار دیکھتے تھے، ان کے اسی طرح المجمع العلمی اور اس کے ارکین سے واقف تھے۔ اس لئے جب شیخ محمد نصیف نے ان کے نام تعارف و مشورہ کا خط لکھا تو مجھے خوشی ہوئی۔ آج ہمارے دمشق پہونچنے کا دوسرا دن تھا میں نے چاہا کہ سب سے پہلے شیخ بہجۃ البیطار سے ملاقات کروں مگر وہ نہ ملے۔

**شیخ ابو الخیر میدانی سے ملاقات:** ہم نے رابطۃ العلماء کے صدر مولانا شیخ ابو الخیر میدانی کے گھر جانے کا قصد کیا ہمارے ساتھ رسالۃ العلماء کی ایک کاپی اور مفتی امین الحسینی کا تعارفی خط تھا ہم ان کے گھر داخل ہوئے جو قدیم ترکی طرز پر بنا ہوا تھا، معلوم ہوا کہ وہ گھر میں نماز پڑھ رہے ہیں تھوڑی دیر میں شیخ باہر آئے، بڑے باوقار، نورانی داڑھی، چہرے پر خشیت کی نورانیت، میں نے ان کو مفتی امین الحسینی کا خط دیا، بڑی خوشی سے خط لے لیا اور مفتی صاحب کی تعریف کی، ان کے اخلاص و استقامت کو سراہا۔

**اخوان المسلمین کے مرکز میں:** ہم لوگ لنے سعید ادریس واقع اخوان المسلمین کا مرکز دیکھا، ہمارے ساتھ اخوان المسلمین کے نگراں عام ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کے نام مفتی امین الحسینی صاحب کا تعارفی خط تھا۔ مجھے ان کی ملاقات کا بڑا اشتیاق تھا۔

**جامع الدقاق میں:** ہم لوگ شیخ بہجۃ البیطار کے یہاں گئے اور ان کے درس میں شریک ہونے کے لئے جامع الدقاق پہونچے وہاں ہم کو اطلاع ملی کہ شیخ ابھی تک واپس نہیں آئے، ہم لوگ ان کے بجائے شیخ عبد الرحمن طیبی کے درس میں حاضر ہوئے، درس کا موضوع امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر بحث و مذاکرہ تھا، یہاں ہم لوگ ——— شیخ یحییٰ عاید تونسی سے ملے جو جمعیۃ الہدایۃ الاسلامیۃ کے صدر اور مصر میں جمعیۃ کبار العلماء کے رکن مولانا شیخ محمد خضر حسین کے بھائی ہیں۔

**سوریہ کے پارلیمنٹ میں:** شام کو راستہ میں اتفاق سے اپنے بعض احباب کے ساتھ بھائی تونیتی کی ملاقات ہو گئی انھوں نے ہم کو بتایا کہ پارلیمنٹ کے اجلاس میں حاضر ہونے کے لئے ہمارے لئے دو پاس لے لئے ہیں ہم اس سے خوش ہوئے اس لئے کہ ہم لوگ ابھی تک کسی عرب پارلیمنٹ کے اجلاس میں حاضر نہیں ہوئے تھے اور عربی زبان میں قانونی بحث و مباحثہ سنا تھا، میں یہ چاہتا تھا کہ قانونی بحث و مباحثہ کے لئے عربی زبان کی صلاحیت و وسعت کا اندازہ کروں اور اس بات کا کہ اہل زبان اس میں کہاں تک کامیاب ہیں اگرچہ میں عربی زبان کی وسعت، لچک اور ہر جدید و قدیم کو ادا کرنے کی صلاحیت پر پہلے سے یقین رکھتا تھا تاہم یہ چاہتا تھا کہ عملی طور پر اس کو دیکھوں۔

**دوحۃ الآداب کا جلسہ:** یہ ذکر کرنا بھول گیا کہ جب ہم دمشق پہونچا تو وہاں کے حلقوں میں ایک خاص حادثہ کا چرچا تھا یہی حادثہ مجلسوں کا موضوع گفتگو بنا ہوا تھا، حادثہ یہ تھا کہ مدرسہ دوحۃ الآداب نے قصر العظم میں ایک محفل منعقد کی جس میں شہر کا معتبر و خوشحال طبقہ اور درج کے لوگ شریک ہوئے اس میں لڑکیاں بے پردہ آئیں اور رقص و سرود ہوا، یہ جلسہ بڑی بداخلاقی اور بے حیائی کا مظہر تھا لیکن سوریہ کے لوگ اپنے دینی رنگ اور اس کی پابندی کی وجہ سے اس ناگفتہ بہ جلسہ کو برداشت نہ کر سکے، اسلامی غیرت اور دینی شعور رکھنے والوں نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا، ہوا یہ کہ استاد علی طنطاوی ایک جج تھے، سوریہ یونیورسٹی کی مسجد میں تقریر کر رہے تھے اور سوریہ کا ریڈیو اس کو نشر کر رہا تھا انھوں نے اپنی تقریر میں اس موضوع پر بھی گفتگو کی اور حکومت پر تنقید کی، ریڈیو اس گفتگو کو بھی نشر کرتا رہا اور ابھر کر ہر بات کو دنیا کے گوشہ گوشہ میں منتقل کرتی رہی اس نے کچھ خیال نہیں کیا اس تنقید نے اہل حکومت کو ناراض کر دیا، انھوں نے خطیب سے سخت محاسبہ کیا اور ان کے معاملہ کو عدالت کے حوالہ کر دیا اور ریڈیو کے انچارج کو برخاست کر دیا، اس کی وجہ سے یہ واقعہ شہر کا موضوع گفتگو بن گیا۔ دمشقی صحافت نے استاد علی طنطاوی پر طعن و تشنیع شروع کر دی اور تنقید اور نکتہ چینی کرنا شروع کر دیا اور دیندار لوگ، علماء اور دینی انجمنوں کے صدر حضرات نے علی طنطاوی کی طرف سے دفاع شروع کیا، اور ان کے خیالات سے اتفاق اور اس کی تائید ظاہر کی بعض ممبروں نے اس قضیے کے بارے میں سوالی اٹھایا، آج اس پر بحث کا دن مقرر تھا، لوگوں کو توقع تھی کہ آج بڑی گرم اور زوردار بحث ہوگی۔ دینی جماعتیں اور خاص طور پر اخوان المسلمین کے لوگ یہ چاہتے تھے کہ ان غلط مظاہر کے خلاف عوام کی ناراضگی اور شیخ کی موافقت کا اظہار ہو، لہٰذا دینی طبقہ نے یہ کوشش کی کہ اس اجلاس میں علماء و دیندار حضرات کی بڑی تعداد حاضر ہو تاکہ ممبران کو ان کی خفگی کا علم ہو جائے (جن کا ہاتھ ہمیشہ عوام کی نبض پر ہوتا ہے اس کی تائید و تصدیق سے محرومی ان کو گوارہ نہیں) اور عوام کا رائے اخلاقی پہلو سے ہمیشہ اہمیت رکھتی ہے۔ اجلاس میں شیخ بہجۃ البیطار اور بعض علماء تشریف لائے ہم لوگوں نے دور سے ایک دوسرے کو سلام کیا۔

ایک خوبصورت عمارت میں جو مشرقی طرز پر بنی ہوئی تھی اجلاس شروع ہوا۔ ڈاکٹر معروف الدوالیبی کرسی صدارت پر بیٹھے اور بحث شروع ہوئی۔ یہاں تک کہ تک پر مسئلہ چھڑنے کا وقت آیا جس کا اوپر ذکر ہوا، اب گردنیں بلند ہو گئیں اور کان لگ گئے۔

**استاد محمد المبارک کی تقریر:** حلقۂ دمشق کے پارلیمانی نمائندے استاد محمد المبارک آگے بڑھے اور جو جمعیۃ الاشتراکیۃ الاسلامیۃ کے رکن بھی ہیں کے صدر ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی ہیں انھوں نے دلائل سے بھر پور زوردار تقریر کی جو پارلیمانی زبان کے علمی ادبی انداز میں عوام کی زندگی میں اخلاق کی اہمیت پر تھی، جو اپنے عربی معاشرہ اور عربی جاہلیت کی اخلاقی مبادیات اور مسلمانوں کو اس کی خصوصاً عرب قوم میں جو صہیونی خطرہ کے سامنے اور میدان میں اخلاق کو اپنانے اور اختیار کرنے، پختہ تربیت حاصل کرنے اور ہر اس چیز کے مقابلے کے لئے تیار رہنے پر مشتمل تھی جو جوانمردی و شرافت اور بہادری کی روح کو دو افراد کرتی ہے یہ تقریر بڑی قدر و پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی گئی خصوصاً ان لوگوں میں جو تماشائیوں اور سامعین میں تھے، پھر ڈاکٹر سباعی صاحب نے مختصر اور واقعہ مذکور کی صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے مناسب تقریر کی، حکومت کی طرف سے اس تقریر پر جس رد عمل کا اندیشہ تھا وہ نہیں پیش آیا۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ حکومت نے سامعین و دینداروں اور علماء کو دیکھ کر اس قسم کے مظاہرے سے قوم کی بیزاری کو بھانپ لیا اور شیخ طنطاوی کے مؤیدین و معاونین کا اندازہ لگا لیا تو یہ لوگ دب گئے اور خاموش ہو گئے جیسی اجلاس کے صدر نے اپنی پارلیمانی ہوشیاری و چرب زبانی کا ثبوت دیا، چنانچہ اشتعال میں سکون پیدا ہوا انھوں نے حکومت کو نرمی اور حکمت عملی کی نصیحت کی اور اجلاس کو مزید انتظار اور بحث کا وقت مقرر کرنے کا مشورہ دیا

اس طرح وہ فضا کچھ ٹھنڈی ہوئی جس میں غیظ و غضب کی بجلی کوند رہی تھی۔

**پارلیمانی بحث و مباحثہ کیلئے عربی زبان کی صلاحیت اور ممبران کی اس کی قدرت** میں نے یہ مشاہدہ کیا کہ ممبران کے مباحثے اور ان کی تقریریں تاثیر، زور و قوت اور زبان کی فصاحت میں کسی ایسے پارلیمنٹ سے کم نہیں جس کے ممبران انگریزی میں بحث کرتے ہیں۔ میں اپنے ملک کے بعض قانون ساز جلسوں میں حاضر ہوا ہوں، میں نے دیکھا کہ عربی زبان نے اپنی صلاحیت ثابت کردی اور عرب ممبران نے اپنی پارلیمانی قادر الکلامی اور لیاقت کا ثبوت دیا۔ مجھے صدر جلسہ کی تقریر اور وزیر اعظم خالد العظم کے جوابات بہت پسند آئے۔ وہ بڑے ٹھوس اور سنجیدہ اور ذہانت و قابلیت کے غماز تھے۔ خیال ہے کہ سوریہ کے ممبران کی زبان فصاحت میں اور مقامی انداز کلام سے متاثر ہونے میں مصری ممبران کی زبان سے قریب ہے اگرچہ مصر کے کسی پارلیمانی اجلاس میں حاضر ہونے کا مجھے موقع نہیں ملا، تاہم یہ اندازہ ہے۔

## علمائے دمشق سے ملاقات

ہم لوگ یہاں سے نکلے اور راستے میں اتفاقاً شیخ بہجۃ البیطار مل گئے، ان کے ساتھ الدراسات الاسلامیہ کے صدر اور دمشق کے بڑے عالم شیخ محمد احمد دھمان اور ڈاکٹر ابو الیسر عابدین (جو مشہور فقیہ سید ابن عابدین کے خاندان سے ہیں) اور شیخ محمد سعید برہانی تھے۔ میں شیخ محمد بہجۃ البیطار سے ملا، انھوں نے ایک دوسرے سے تعارف کرایا۔

۲۲ر۹ر۷۰ھ مطابق ۲۷ر۶ر۵۱ عیسوی

**شیخ بہجۃ البیطار کے گھر میں:** ہم لوگ شیخ بہجۃ البیطار کے گھر گئے اور ان کے پاس بیٹھ کر گفتگو و مذاکرہ کرنے لگے۔

**شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے بارے میں باتیں:** گفتگو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے متعلق ہونے لگی۔ شیخ بہجۃ البیطار ان کی تصنیفات و نظریات کے بڑے واقفین میں سے ہیں، انھوں نے ابن تیمیہ پر افتراء پردازیوں کا مجملاً ذکر کیا اور علمی وقار و تحقیق سے اس کو غلط قرار دیا۔ منجملہ ان باتوں کے ابن بطوطہ کا وہ بیان بھی تھا جو اس نے اپنے سفرنامہ میں ذکر کیا ہے کہ اس نے دمشق میں جامع اموی کے منبر پر ان کو خطبہ دیتے سنا، وہ منبر سے ایک ایک زینہ اترتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ اترتا ہے۔ انھوں نے ثابت کیا کہ دمشق میں ابن تیمیہ سے ابن بطوطہ کی ملاقات ہی نہیں ہوئی۔ ابن بطوطہ رمضان ۷۲۶ھ میں دمشق آیا اور اسی سال شیخ الاسلام ابن تیمیہ قلعہ دمشق کے جیل میں جا چکے تھے اور ابن تیمیہ کبھی جامع اموی میں خطیب نہیں رہے تھے، ان کے زمانہ میں جامع اموی کے خطیب شیخ جلال الدین قزوینی تھے۔ ابن بطوطہ کا بیان غلط یا وہم پر مبنی ہے، اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اس نے سفرنامہ املا کرایا تھا، خود نہیں لکھا تھا۔ شیخ زاہد الکوثری کے اس قول سے شیخ بہجۃ البیطار کو تعجب ہوا کہ ابن تیمیہ کے تشدد کی وجہ سے امیر خربندہ شیعہ ہو گیا جس کا پس منظر یہ ہے کہ خربندہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، اس کے بعد شرمندہ ہوا اور علماء سے استفسار کیا کہ کیا اس کی کوئی صورت نکل سکتی ہے کہ وہ اپنی اس بیوی کو رکھ سکے، سب نے یہ جواب دیا کہ تمہاری بیوی بائنہ ہو چکی، اب حلالہ اور نکاح کے بغیر تمہاری زوجیت میں نہیں آسکتی۔ آخر میں امیر خربندہ مشہور شیعی فقیہ ابن المطہر الحلی سے ملا، اس نے کہا کہ ایک طلاق پڑی اور رجعی پڑی، میں اس کو سنت سے ثابت کر دونگا۔ امیر خربندہ نے کہا کیا آپ علماء اہل سنت سے مناظرہ کر سکتے ہیں، اس نے کہا ہاں ہم تیار ہیں، چنانچہ اس نے علماء اہلسنت کو جمع کیا اور ابن المطہر نے ان سے مناظرہ کر کے ان کو خاموش و لاجواب کر دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ خربندہ شیعہ ہو گیا۔ اس میں ابن تیمیہ کا کیا قصور ہے؟ اس گفتگو پر ہم دونوں متفق رہے کہ ابن تیمیہ کی کتابیں اس وقت بھی بڑا مواد فراہم کرتی ہیں۔ زمانہ کی بیش قدمی اور عقل کی ترقی کے باوجود وہ جدت اور زمانہ کا ساتھ دینے سے عاجز نہیں، وہ عہد حاضر کے بہت سے اہل عقل لوگوں کو مطمئن اور خاموش کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ اس مقبولیت و کامیابی کا راز یہ ہے کہ ابن تیمیہ نے دین کے اصولوں کو مضبوطی سے اپنایا اور اس پر کاربند رہے۔ اور دین کے مآخذ و ماعلیہ کو پیش نظر رکھا۔

شیخ بہجۃ البیطار نے فرمایا کہ ازہر کے بعض علماء نے مجھ سے کہا کہ جب ہم نے جامع ازہر میں توحید کے موضوع پر کتابیں پڑھیں تو ہمارے شکوک و شبہات پیدا ہوئے، ہم اس خطرے میں پڑ گئے کہ کہیں اسلام ہی کے منکر نہ ہو جائیں، لیکن خوش قسمتی نے ساتھ دیا، ہم نے امام ابن تیمیہ کی کتابیں پڑھیں تو ان کتابوں نے نور اسلام کو ہمارے دلوں میں راسخ کیا۔

میں نے ان سے کہا کہ دیکھنے والوں کو پہلے وہلہ میں معلوم ہوتا ہے کہ دین کو سمجھنے میں معتزلہ مذہب سے نرم و لطیف تر لگتے ہیں اور وہ معقول نہیں، مگر تحقیق سے مطالعہ کرنے والے اور پختہ شخص کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ اسلام میں عقل کے دور طفولیت میں تھے، ان کا فکر خام و غیر پختہ تھا اور یہ شرف جا ہے کہ محدثین کرام علم کے مدارج تک پہونچے اور رسوخ فی العلم میں بہت فائق تھے۔ معتزلہ کے مقابلہ میں ان کی رائے عقل و تحقیق سے زیادہ قریب ہے۔ میں نے کہا کہ میں نے ڈاکٹر احمد امین بک سے بہت کھل کر کہا کہ آپ نے اپنی دونوں کتابوں "فجر الاسلام" اور "ضحی الاسلام" میں معتزلہ کو ان کے مقام سے زیادہ بڑھایا ہے۔ شیخ بہجۃ البیطار صاحب نے میری بات سن کر فرمایا کہ جب وہ دمشق گئے تھے تو میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک اسلامی فرقوں میں کون سا فرقہ حق سے زیادہ قریب ہے، انھوں نے تھوڑا سا سوچا پھر جواب دیا کہ معتزلہ، میں نے کہا بلاد اسلامیہ میں ایک عرصہ تک اعتزال اور معتزلہ کی تائید و نصرت اور ان کے ساتھ جانبداری فکری و عقلی روشن خیالی کا رمز رہا ہے تا آنکہ یورپ میں فلسفہ کے نئے مدرسے وجود میں آئے جنھوں نے عقل محض کی قیمت گھٹا دی، اس کے غلبہ کو کم کر دیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اعتزال نے اپنا اثر و رسوخ اور جاذبیت کھو دی۔

## دمشق میں فرانسیسی حکومت کی یادگاریں

کل کے طے شدہ پروگرام کے مطابق ہم لوگ المجمع العلمی کو دیکھنے نکلے، ٹرام پر سوار ہوئے پھر اتر کر دمشق کے بازار میں چلنے لگے، چلتے چلتے ہم لوگ ایک ایسے راستے سے گذرے جس کا نام الحریق تھا۔ شیخ بہجۃ البیطار نے ہم سے بیان کیا کہ یہ محلہ دمشق کا سب سے بارونق و شاندار محلہ، دمشق کے امراء اور قومی خاندان کا مرکز تھا، یہ فرانسیسیوں کے حملہ اور گولیوں کا نشانہ بنا، جس سے بہت سی جگہوں پر آگ لگ گئی، سڑک مکانات کے تباہ ہونے کی وجہ سے لوگ بے گھر ہوگئے تھے۔

فرانسیسی مرد و عورت اور چھوٹے بڑے میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔ زیادہ تر بالکل درندے و جنگلی تھے، انھوں نے ملک کی ترقی کو برسوں پیچھے ڈالدیا، وہ اس آبادی میں ذرا بھی اس کی نمائندگی نہیں کرتے تھے کہ وہ فرانسیسی انقلاب حریت و مساوات کے داعی ہیں۔

**المجمع العلمی میں:** ہم لوگ المجمع العلمی پہونچے، وہاں ہم کو المجمع العلمی کے نائب صدر فاضل استاد شیخ عبد القادر مغربی اور استاد خلیل مردم بک ملے۔ میں ان دونوں حضرات سے ان کے مضامین و رسائل کے ذریعہ زمانہ طالب علمی سے واقف تھا، جب سے دار العلوم ندوۃ العلماء کے طلبہ کی انجمن جمعیۃ الاصلاح کی جو

تھی ہم لوگ ان دونوں سے ملے اور بیٹھ کر ہندوستانی مسلمانوں کے بارے میں گفتگو کرنے لگے، میں نے المجمع العلمی کے کتب خانہ کو مولانا سید عبدالحئی کی کتاب نزہۃ الخواطر کی پہلی جلد ہدیہ کی۔ کتب خانہ میں داخل ہوئے تو وہاں ابو العلاء المعری کا مجسمہ نظر آیا، ہمارے عرب بھائیوں پر بت دوبارہ مسلط ہو گئے ہیں اور وہ یادگار علم اور تاریخ کے نام پر پھر عود کر آئے ہیں۔

## کتبخانہ ظاہریہ :۔

المجمع العلمی، المدرسۃ العادلیۃ الکبریٰ کی عمارت میں ہے۔ یہ بڑی شاندار مضبوط عمارت ہے۔ المجمع العلمی کے لئے اس کا انتخاب بڑا مناسب انتخاب تھا۔ دمشق المدرسۃ العادلیۃ الملک العادل ابن سلطان صلاح الدین کی طرف منسوب ہے وہ مدرسہ کے اسی حال کے اندر مدفون ہیں جس میں کتب خانہ ہے۔ اسی مدرسہ عادلیہ میں قاضی ابن خلکان نے اپنی مشہور تاریخ لکھی ہے ابن مالک نحوی یہیں کھڑے ہوتے اور لوگوں کو اپنے درس میں آنے کی دعوت دیتے تھے کہتے تھے کہ کوئی سیکھنے والا اور فائدہ اٹھانے والا ہے؟ (ابن خلکان بھی مدرسہ عادلیہ میں آیا ہے)

اس عمارت کے سامنے کتب خانہ ظاہریہ کی عمارت ہے جس کی نسبت السلطان الظاہر بیبرس کی طرف ہے جو اسی میں مدفون ہیں یہ دمشق کا بہت بڑا کتب خانہ ہے، یہ کتب خانہ مشرق وسطیٰ کے کتب خانوں میں بڑے بڑے مصنفین کی مخطوطات کے سلسلہ میں سب سے زیادہ ممتاز ہے، مثلاً حافظ ابن حجر عسقلانی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ الحرانی، حافظ ابن عساکر دمشقی، امام ذہبی وغیرہ۔

کتبخانہ کی عمدہ کتابیں :۔ کتب خانہ جن عمدہ کتابوں پر مشتمل ہے ان میں سب سے اول قابل ذکر امام ابوداؤد سجستانی صاحب السنن کی کتاب مسائل الامام احمد ہے جو ۲۶۶ھ میں لکھی گئی ۔۔۔۔

دوسری قابل ذکر کتاب مسند امام احمد کی ترتیب ہے الکواکب الدراری علی الجواب البخاری کہ کتاب کے نام سے جیسا محسوس ہوتا ہے اس کے برخلاف وہ تقریباً ایک اسلامی انسائیکلو پیڈیا ہے جس کی اصل ۱۲۰ جلدوں میں ہے کتب خانہ میں صرف ۴۴ جلدیں باقی ہیں وہ بھی الگ الگ ہیں اس کتاب سے ابن تیمیہ کے بہت سے رسالے نکال لئے گئے ہیں وہ الگ شائع ہوئے ہیں۔ مثلاً کتاب الوسیلہ، معوذتین کی تفسیر، سورۂ اخلاص، سورۂ نور وغیرہ کی تفسیر کتب خانہ میں دوسری منزل پر بہت وسیع دار المطالعہ ہے، ہم کتب خانہ کے مہتمم سے ملے وہ بڑے پڑھے لکھے باخبر اور علمی ذوق رکھنے والے شخص ہیں۔

سلطان صلاح الدین کی قبر پر :۔ کتبخانہ ظاہریہ سے نکل کر ہم لوگ جامع اموی کی طرف چلے اس میں داخل ہونے سے قبل اسلام و مسلمانوں کے لئے قابل فخر دین و ملت کا علم بلند کرنے والے غازی سلطان صلاح الدین کی قبر پر گئے جس نے اسلام و مسلمانوں کو عزت بخشی، ان کا سر اونچا کیا اور صلیبیوں کے حملوں کو بے اثر کیا اور ان کی طاقت و شوکت کو ختم کیا، ہم تھوڑی دیر مقبرہ کے دروازے پر کھڑے ہوئے اور ان کے عظیم کارناموں اور ہمیشہ باقی رہنے والے جلیل القدر کاموں کو یاد کیا۔ ہم حطین کا معرکہ یاد کیا جس نے صلیبیوں کا خاتمہ کیا۔ وہ اسلام کی ایسی فتح ثابت ہوا جس کے سامنے بہت سی فتوحات قابل ذکر نہ رہیں، روح القدس و ملائکہ نے ان کی تعریف کی میں نے فلسطین مرحوم اور اس کے باشندوں کی زبان سے ذہبی کے دو شعر پڑھے۔

> صلاح الدین . . . . . .
> و حطین . . . . . .

ہم تمہیں تم صلاح الدین کو دوبارہ لاؤ
اور حطین یا حطین جیسے معرکہ کا اعادہ کرو

میں بہت عرصہ سے سلطان شہید نور الدین زنگی اور غازی صلاح الدین ایوبی کا ایسا قدردان تھا اور ان سے ایسی عقیدت رکھتا تھا، جو اسلامی بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ سے نہیں، میں ان دونوں سے محبت کرنے اور ان کے لئے دعا کرنے کو اللہ کے یہاں تقرب کا ذریعہ جانتا تھا۔ ہم اس زبردست مجاہد کے مقبرے میں داخل ہوئے جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کا فریضہ انجام دیا ان کی روح کو خوش کیا ان کے دین کے دفاع میں جوش و غضب کا مظاہرہ کیا، اسلام کی عزت اور اس کے مقدس گھروں کی حفاظت کی، امت مسلمہ کی عزت و آزادی کو محفوظ کیا، میں نے ان کے لئے دعائے رحمت و مغفرت کی احباب نے مجھے بتایا کہ فرانسیسی جنرل غورو جب آیا اور اس نے سوریہ فتح کیا تو سلطان کی قبر پر ٹھوکر ماری اور کہا صلاح الدین تم کب تک سوتے رہو گے، دیکھو ہم یہاں حاضر ہوئے اور سوریہ فتح کر لیا، یہ بات فرانسیسیوں کے غیظ و غضب اور اہل یورپ کے کینہ و گھمنڈ سے کچھ بعید نہیں۔ بقول شاعر سہ ادہ

> کذا لك الحمى . . . . . .

(اس کا ترجمہ زندہ ہزاروں مردوں پر غالب آجاتا ہے)

## قبۃ النسر

یہاں سے ہم لوگ جامع اموی گئے۔ جہاں بڑا شاندار گنبد ہے جس کو قبۃ النسر (گدھ کا گنبد) کہا جاتا ہے، جب ہم قبۃ النسر کے نیچے سے گذرے تو شیخ بہجۃ البیطار نے ذکر کیا کہ ان کا یہ معمول رہا کہ اس کے نیچے دمشق کا سب سے بڑا عالم ہی درس دیتا تھا۔ دمشق کے مشہور محدث سید بدر الدین حسنی اس کے قریب درس دیتے تھے۔ اس کے نیچے نہیں درس دیتے تھے بعد میں لوگ جری ہو گئے اور ہر کس و ناکس اس کے نیچے درس دینے لگا۔

## دار الحدیث میں :۔

ہم لوگ جامع اموی سے نکلے اور راستہ میں وہ دار الحدیث دیکھا جس میں امام نووی درس دیتے تھے، جس کے بارے میں شیخ تقی الدین سبکی فرماتے ہیں۔

وفی دار الحدیث لطیف معنا الی بسط بہا اصبوا و آوی
لعلی ان امس بحر وجھی مکانا مسہ قدم النواوی

## استاذ امیری کے ساتھ :۔

راستہ میں بھائی عبدالرحمن الباانی نے ہم سے ذکر کیا کہ میرے وائع سمیر امیس ہوٹل میں استاد عمر بہاء الامیری کا سیمر سوریہ برائے پاکستان ٹھہرے ہیں، ہم لوگ ان سے ملنے گئے اس حسن اتفاق سے خوشی ہوئی اس لئے کہ مجھے تو سوریہ میں ان کے ہونے کی امید نہ تھی، چہ جائیکہ دمشق میں ہم لوگ ان کے کمرے میں داخل ہوئے اور ان سے پوچھا کیا آپ نے مجھے پہچانا؟ تو وہ بولے کیسے نہ پہچانتا مکہ معظمہ میں ہم لوگ بار بار ملے ہیں، پھر ہم لوگ باتیں کرنے لگے، بھائی عبدالرحمن صاحب نے خواہش ظاہر کی کہ میں سوریہ یونیورسٹی میں مقالہ پڑھوں ــــ

(باقی آئندہ)


# ہندوستانی مسلمان ایک نظر میں

(مولانا ابوالحسن علی ندوی)

موجودہ ہندوستانی مسلمانوں کا مذہبی، تمدنی، معاشرتی تعارف،
نیز ان کی ملی خصوصیات کا بیان۔
ایک غیر جانبدارانہ جائزہ
ایک واقعی تصویر

قیمت :۔ ۳/۵۰

پتہ

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام
پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ

# قرآن سائنس کے دریچوں میں

محمد وقار ندیم طیب سعیدی

قرآن سراپا معجزہ اور علوم معارف کا بحر زخار ہے اس کے علوم کے آگے انسانی عقل کو ہمیشہ سر جھکانا پڑا ہے اس کتاب کے الہامی اور منزل من اللہ ہونے کی یہ خود ایک بڑی دلیل ہے کہ اس کے علوم و معارف کی ہمیشہ تحقیقات ہوتی رہیں اور لکھا جاتا رہا ہے لیکن اس کا خزانہ ہے کہ ختم ہونے کو نہیں آتا۔

اسلام چونکہ ابدی دین ہے اور قرآن اس کا ابدی دستور ہے لہٰذا اس میں حیرت ناک درجہ تک ہر دور کے مزاج کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اگرچہ قرآن کا اصل موضوع تذکیر و ہدایت ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس نے تمام علوم و معارف کو اپنے اندر اس طرح سمو دیا ہے کہ تدبر کرنے والے کی زبان سے بیساختہ یہ نکل جائے کہ خدا کے علاوہ یہ کسی اور مخلوقات کا کلام ہو ہی نہیں سکتا خود اس کے علوم ہی اس بات کی چیخ چیخ کر شہادت دیتے ہیں کہ یہ کسی ما فوق البشر ذات کا کلام ہو ہی نہیں سکتا جس کا علم قدیم و جدید سب کو حاوی ہے، اور جو ہر گز عملی [illegible] دی جاتی جو کبھی انسان کے گوشۂ خیال میں بھی نہ کھٹکی ہو۔

آج کل سائنس کی روز افزوں ترقیات اور حیرت انگیز معلومات لوگوں کی آنکھوں کو خیرہ کیے دے رہی ہیں حتیٰ کہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ دشمنان اسلام اس چلتے ہوئے جادو کے آگے جھکا دے کہ اسلام ایک قدیم نظام حیات ہے اور جدید تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر ہے اسی ضرورت کے پیش نظر یہ مقالہ ہدیۂ ناظرین ہے جس میں قرآن کی ان سچائیوں کا جائزہ لیا جائے گا جن کی تائید دور جدید کے سائنسی انکشافات سے ہوتی ہے، سائنس کے انکشافات کے رخ قرآن کو تعیین دینا ہے خود متن قرآن کے ساتھ نا انصافی کرنا ہے اور سائنس کے اصول کو قرآن کے مطابق دکھانے کی بجائے [illegible] نظر نہیں آتا لیکن یہ واضح ہو کہ سائنس تو ہمیشہ تغیر پذیر رہتی ہے اس پر بھروسہ بنا بہتر نہیں چنانچہ [illegible] آج غلط ثابت ہو چکے ہیں کل بھی اسی طرح بہتر ہو سکتے ہیں غرض اگر ایسی صورت پیش آتی ہے تو ہم کہیں گے کہ ہمارے سمجھنے میں غلطی ہوئی قرآن بہر حال برحق ہے [illegible] میں ملاحظہ ہوں۔

(۱) فمن یرد اللہ ان یہدیہ یشرح صدرہ للاسلام ومن یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیقا حرجا کانما یصعد فی السماء۔ (انعام)

(ترجمہ: جس کو اللہ تعالیٰ راستے پر ڈالنا چاہتے ہیں اس کے سینہ کو اسلام کے لیے کشادہ کر دیتے ہیں اور جس کو بے راہ رکھنا چاہتے ہیں اس کے سینہ کو تنگ اور بہت تنگ کر دیتے ہیں جیسے کوئی آسمان میں چڑھتا ہو)

یہاں آیت کا آخری حصہ قابل غور ہے کہ سینہ کے تنگ ہونے کو قرآن نے فضا میں بلند ہونے کی کیفیت سے کیوں تشبیہ دی ہے۔ دور جدید کی سائنس نے اس حقیقت کو سامنے رکھ دیا ہے کہ فضا میں جیسے جیسے بلندی پر جائیں آکسیجن (OXYGEN) ختم ہو جاتی ہے جو زندگی کے لیے لازم ہے بلند فضا میں [illegible] اور بلندی تک پہنچنا ہونے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ آکسیجن ساتھ لے جائے ورنہ بڑی دشواری پیش آتی ہے اور دم گھٹنے لگتا ہے۔ اب خود فیصلہ کیجئے کہ سائنس کی یہ دریافت قرآن کے اس بیان کی تائید نہیں کرتی؟

(۲) علم جدید کی مستحکم دریافتوں میں یہ بھی ہے کہ کائنات کی ہر شے میں زوجیت ہے، نباتات ہوں یا جمادات — حتیٰ کہ ایٹم (ATOM) کے اندر بھی نیوٹرون اور پروٹون کی زوجیت ہے اس دریافت کے صدیوں پہلے قرآن کے اس بیان پر غور کیجیے!

ومن کل شیء خلقنا زوجین لعلکم تذکرون (ذاریات)

(اور ہم نے ہر چیز کو دو دو بنایا تاکہ تم لوگ نصیحت حاصل کرو)

اب آپ ہی فیصلہ کیجیے کہ کیا اس سے زوجیت ثابت نہیں ہوتی؟

(۳) انیسویں صدی تک سائنس کا یہ نظریہ رہا ہے کہ کسی شے کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ جو ممکن ہے وہ ذرہ (MALECULE) ہے اور اس کا تجزیہ ممکن نہیں ہے۔ اسی کو قدیم فلاسفہ جزء لا یتجزیٰ کے نام سے یاد کرتے ہیں لیکن عصر حاضر میں اب اس کا تجزیہ (ANALYSIS) کر لیا گیا لہٰذا اب سب سے چھوٹا جزء جو اب تک معلوم ہو سکا ہے ایٹم ہے اور ابھی اس کے تجزیہ کا امکان بھی باقی ہے اب اسی حقیقت کو قرآن کے آئینہ میں دیکھئے۔

وما یعزب عن ربک من مثقال ذرۃ فی الارض ولا فی السماء ولا اصغر من ذلک ولا اکبر الا فی کتاب مبین۔ (یونس)

(اور آپ کے رب سے کوئی چیز ذرہ برابر بھی غائب نہیں نہ زمین میں نہ آسمان میں اور نہ کوئی اس سے چھوٹی اور نہ بڑی مگر یہ سب کتاب مبین میں موجود ہے۔)

یہاں اصغر من ذلک کا لفظ قابل غور ہے ایک معمولی عربی داں بھی اس بات سے بخوبی واقف ہوگا کہ اسم تفضیل کا استعمال اسی موقع پر ہوتا ہے جب کہ دو چیزیں ایک صفت میں مشترک ہوں لیکن یہ صفت بہ نسبت ایک کے دوسری میں زیادہ پائی جاتی ہے لہٰذا اس قاعدہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے غور کرنے سے معلوم ہوا کہ چھوٹا ہونے کا امکان ذرہ سے آگے بھی ہو۔

(۴) اسی طرح سائنس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ نمو دونوں کی تلقیح ہوا کے ذریعہ ہوتی ہے اب قرآن کے اس صریح بیان کو دیکھیے ارشاد ہے۔

وارسلنا الریاح لواقح (حجر)

(اور ہم نے ہواؤں کو تلقیح کرنے والا بھیجا)

مفسرین نے لواقح سے مراد پانی سے بھرے ہوئے بادل لیے ہیں اور لغت کے لحاظ سے بھی اسی معنی کی تائید ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اس آیت میں اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے جو ہم نے ابھی واضح کیا ورنہ عام اس معنی کے لیے تو دوسری تعبیریں بھی ہو سکتی تھیں۔

(۵) علم طب کی تحقیق کے مطابق بچہ ماں کے بطن میں تین پردوں کے اندر ہوتا ہے۔ اب اس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے قرآن کی یہ آیت تلاوت کیجیے۔

یخلقکم فی بطون امہاتکم خلقا من بعد خلق فی ظلمات ثلاث (زمر)

(اس نے تم لوگوں کو ماؤں کے پیٹ میں ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت میں بنایا تین تاریکیوں میں)

یہاں ظلمات ثلاث کی تفسیر تو یہ جا رہی ہے اس حقیقت کے لیے اس سے عمدہ تعبیر نہیں ہو سکتی جو قدیم ذہن کے مطابق ہے اور جدید عقل کے بھی موافق ہے۔

(۶) ففتحنا [illegible]

(باقی ص [illegible])

(۱) مضمون میں ان آیات کے ترجمے کے علاوہ تمام ترجمہ حضرت تھانوی کے ترجمہ سے لئے گئے ہیں [illegible] ترجمہ نہیں سمجھا گیا خاص مقصد کے تحت ایسا کیا گیا ہے۔ (ندیم سعیدی)

سلسلہ شمارہ ۵ فروری ۱۹۰۷ء

# سید نور الحسن نورؔ

سید سلیمان معلم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

گذشتہ صفحات میں ہم نے سید نور الحسن نورؔ کی شاعری کی کچھ جھلکیاں دکھائی تھیں۔ گوناگوں صفات کی حامل شخصیت کے کسی ایک وصف کے بیان پر کیوں قناعت کی جائے، طالبانِ کی تشنہ کامی اس جام سے کیوں دور ہو جو آگے کی ہوا دے کچھ اور کی ہوس لگائے، مفصل حالات نہ ملنے پر تو یہاں ہے کہ بیکھتے رہیے اور اوراق کی وسعتوں کو تنگ کرتے رہیے جو ذات نسب کی بلندی کے ساتھ حسب کی رعنائی بھی رکھتی ہو اسے نورِ علی نور نہ کہیے تو کیسے کہیے۔ قبل اس کے کہ نورؔ صاحب کی شاعری جس کا مفہوم آج کچھ بدنما نظر آتا ہے، بلکہ قلبی آثار کو ٹیپ کیا جائے اور خاموش سطروں میں قلبی سماعت کو سنایا جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ذکر کر دیا جائے۔

سید نور الحسن نورؔ بن ظہور الحسن بن سید عابد حسین محمد حسین خاں عرف میر جھجل بن سید اکرام بن سید عنایت خاں بن سید حامد خاں بن حسن علی ابن خاں میر بن سید یحییٰ بن ابو الحسن بن سید الدین بن احمد الدین بن نجم الدین بن سید ابو الفرح واسطی۔

یہاں تک میں نے مراۃ الانساب سے نقل کیا ہے، سید ابو الفرح واسطی سے سید زید شہید تک ناموں میں بہت اختلاف نظر آتا ہے "بحر العارف" مولفہ سید کریم علی، "آئینۂ محمدی" مولفہ شاہ آل احمد صاحب مارہروی، "بیعہ مولانا نجم الغنی اور خاندان برکات" مولفہ اولاد رسول بلگرامی ان مختلف کتابوں میں بالاتفاق یہ نسب مذکور ہے۔

سید ابو الفرح واسطی بن سید داؤد بن سید حسین بن سید یحییٰ بن سید زید سوم ابن سید عمر بن سید زید دوم بن سید علی عراقی بن سید حسین بن سید علی بن سید محمد بن سید عیسیٰ موتم الاشبال بن سید زید شہید ابن امام زین العابدینؑ۔

کارگہِ عالم میں جب کسی انسان کا وجود ہوتا ہے تو اس کی نسبت بھی وجود میں آتی ہے اگر کوئی کسی کا بیٹا ہے تو کسی کا پوتا بھی ضرور ہوگا، لہٰذا دو وجود ایک ہی وقت میں پیدا ہوتے ہیں ایک وجودِ انسانیت اور ایک نسبت کا وجود۔ خالقِ عالم نے جب خون کو مادہ خلق بنایا ہے جو ایک مادی چیز ہے تو اخلاق و روحانیات کی جلوہ گری ایک بعید نہیں جسم کی ساخت طبیعت کے اثرات اور عقلی و ذہنی قوتوں میں بڑی حد تک حلول کی طاقت ہوتی ہے اسی طرح اخلاقیات اور وجدانات بھی اپنا اثر کئے بغیر نہیں رہتے یہی وجہ ہے کہ بچوں کو آخرت میں ماں باپ کے ساتھ کر دیا جائے گا، کفار کے بچے انشاء اللہ ان کے ساتھ نہیں رہیں گے۔

یہ تو ان کے مادی باپ کا سلسلۂ نسب تھا، کیا ہی اچھا ہو اگر ان کے کمالاتِ اکبر اور علمِ حقیقی جس سے ارادت اور جن کی خدمت ہی گویا سب کچھ کمائی ہے اور جن پر ان کا شاگرد رشید خدا اور قربان ہے، ان کی صحبت میں ایک ساعت کو بہت غنیمت سمجھتا ہے، اسکے سلسلۂ آفتاب کی شعاعیں بکھیر دی جائیں تاکہ اس قلم کی سیاہی نامۂ اعمال کی سیاہی میں نہ تبدیل ہو جائے۔

سید نورؔ صاحب شاعر ہی عجب ہے، جو بھی کہتے ہیں شعر ہی ہوتا ہے، شعر کہتے ہیں تو حقیقت حال سناتے ہیں۔ نہ کہ خیال آرائی و قافیہ بندی، پیر کبیر کا سلسلہ بھی نظم کر ڈالا لیکن طوالت کا یہ مضمون متحمل نہیں ہو سکتا!

سید نور الحسن، حاجی امداد اللہ مکی، نور محمد عبد الباری، عوض الدین محمد مکی، شاہ محمدی، محب اللہ، بو سعید نظام الدین، جلال الدین، عبد القدوس، محمد جہر، شیخ عارف احمد عبد الحق، جلال الدین، شمس الدین، علاء الدین، فرید الدین، قطب الدین، معین الدین، خواجہ عثمان، شریف زندنی، مودود چشتی، ابو یوسف، ابو محمد، ابو احمد، ابو اسحاق، شاہ ممشاد، ابو ہبیرہ، حذیفہ مرعشی، ابراہیم ادھم، فضیل ابن عیاض، عبد الواحد بن زید، حضرت حسن بصری، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

شاید کسی کی ناموں کی اس کثرت سے کسی کی دل جمعی اور حدیث طوالت گراں گذرے لیکن حدیثِ دوست کی طوالت بھی نہیں، یہ ان شخصیاتِ گرامی کے نام ہیں اسمائے بابرکت جن سے کیا پانی جھونکوں اور عطر بیز فضاؤں میں ہماری زندگی بسر ہو رہی ہے اگر یہ امداد ہی جو ہے گنگوہ و مکہ نہ جھولتے اور سرزمین عثمانی ہند میں اپنی روحانی قوت سے نہ چلتے تو آج نہ دیوبند کا دار العلوم ہوتا نہ سہارنپور کا مظاہر العلوم نہ ندوۃ العلماء ہوتا اور خدا جانے کیا کیا نہ ہوتا۔

ناموں کی فہرست سے دیکھ لیجئے۔ نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شاہراہ پر چلتا ہو مر جاؤ کو خاکِ پاک پر دیکھئے۔ سر کبھی جلا نہیں جاتا لیکن دل بیتاب دل غبار پا کو چومنا چاہتا ہے اس کا ادب رقیب پر گوارہ نہیں کرتا کہ غبار پا اس کی کفِ پا رگڑی جائے۔

ز رحمت کن نظر بر حالِ زارم یا رسول اللہ
فقیرم بے نوایم، خاکسارم یا رسول اللہ
زلیخائے زلفِ شکست بر سودائے خوش دارم
بزدن تیغ ابرو جاں نثارم یا رسول اللہ
فتادہ در دلم تا آتش سوزانِ عشق تو
سپندم، شعلہ ام بر قرارم یا رسول اللہ
جمالِ خود نما بر ہم بر زخمہائے دل
ز ہجرت سینہ ریشم دلفگارم یا رسول اللہ
مرا تا چند داری در بلائے ہجر سرگرداں
سوئے خویشم بسر مشت غبارم یا رسول اللہ
ہمہ تن غرق دریائے گناہم اے شفیع ما
بجز تو نیست کس روز شمارم یا رسول اللہ
دم آخر نمائی جلوۂ دیدار طالب را
ز لطف تو ہمیں امید دارم یا رسول اللہ

لفظوں کی قید و بند اور ردیف و قوافی کے پھیر میں پڑ کر مقصد ہاتھ سے نہ جانے دیجئے، یہ وارفتگی اور جذبائی یہ شوق کی وارفتگی، یہ احساس کی بے کلی اور حالت اضطراب کیوں نہ ہو اس لئے کہ

ہمہ تن غرق دریائے گناہم اے شفیع ما

کیسے ہو اس لئے کہ

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

وہ شخص جو بیت اللہ کی زیارت کر آیا ہو، روضۂ اطہر سے آنکھ بھر آیا ہو، پھر دل بھی دردمند رکھتا ہو وہاں کے گرد و غبار کو سرمۂ چشم سمجھتا ہو جس نے ہر ہر نقشِ پا کو چشمِ قلب سے تلاش کیا ہو، ہر ہر مقام کی حاضری اس کے دل کا ایک کانٹا ہو جس کی حضوری لافانی ہو، مشل خار دل میں چبھتی اور دردِ دل کو مثل بسمل تڑپاتی ہو۔ اس کے الفاظ میں کیسی معنویت اور کتنی صداقت ہوگی اس کے اشعار میں کتنی روحانیت اور کتنی کشش ہوگی!

یہ شاعر رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کی جناب میں کتنا باادب ہے کہ اپنی نعتوں کا عنوان "نعت" کا بھی یہ دینا نہیں، شوقِ مدینہ کہتا ہے۔ کبھی شوقِ زیارت کا سوالہ دیتا ہے۔

دل من ربود جانان بادائی دلربائی
چہ سپاس گویم ایجاں چو تمام در آئی
نہ ہوائے باغ دارم نہ بسید داغ دارم
نہ دل چراغ دارم کہ ز دیدہ ام جدائی
بسرم ہمیں است سودا کہ سر تیغ دارم
امیدا آنکہ باشد بدر تو جبہ سائی
ز کشش مرا طلب کن کہ زتاب بعد دارم
من زار خستہ کاہم تو مثال کہربائی
چو بہ مرتبین کردی بہ بیار تم مشرف
بسماع دل شنیدم کہ بود بار آئی
دل من ز دست رفتہ بدر تو خاطر آرد
کہ بکار اگر آید ز جوار آشنائی
بگمان کوئی تو من سر ہمسری نگر دم
ز کہیں بندگانت سزد ار کنم گدائی
کہ ز مدحتے بجز ابہم کہ بجز ابہم الہ رانی
نہ نظیر تست انساں نہ مثال تست دیگر
بزبان تست قرآن ز کلام کبریائی
بشفاعت از آدم تا حضرت مسیحا
ز کنند روز محشر بکلام آشنائی
سر عجز تو ار دارد بدر تو اے شہ ریا
بجز از بندۂ دا بجز ام خوشنمائی

فارسی زبان کی شیریں و چاشنی مسلم، لیکن نہ جانے ہندوستان میں یہ کیوں نہ پھیلی، پھولی، آج سے سو پچاس برس پہلے ہمارے آبا اسے دل و جان سے لگائے بیٹھے تھے ہم میں کہاں یہ قدرت تھی کہ روز بانوں میں قدرت پیدا کرتے ساتھ ساتھ ہند کے تخت پر جو بھی بیٹھا اسے اس زبان میں اسلام کی پرانی حقائق، معارف، پند و نصائح، خطیب و مواعظ، فلسفہ و علم کلام، اخلاقیات و الٰہیات کون سا گوشہ تھا جو فارسی دانوں کی مشق سخن اور علمی مہارت سے تشنہ رہ گیا ہو، شریعت کا کون سا مسئلہ تھا جس پر سیر حاصل بحث نہ کی گئی ہو۔ "الآن و قد رفات الآن ان" اب رونے سے کیا ہوتا ہے رو دیجئے بھی کیوں، اردو نے تو اپنی سہیلی کا حق نہایت خوب ادا کیا۔ اس کے دامن کی دستوری کو کیا پوچھنا کہنے والا کہہ سکتا ہے، فارسی کا ذکر زبان پر کیوں لاتے ہو جب فارسی کا دور گزر گیا۔ لیکن میں کہوں بھی تو کیا، یہ اسی دور کی سزا ہے جو جب فارسی کا یہ دور دورہ تھا۔ سبب جاننا بھی ہے تو نظر تشکیل لگائے اسے ہی دیکھا کرو بھی مہارت کا کام نہیں کرتی تب بھی نظر میں اپنا کام کرتی رہتی ہیں، فارسی بھی ہم سے رخصت ہو چلی ہے اگر سچئے ہو چکی ہے۔ تب بھی بجا نہ ہوگا اور یہی پوچھ ہے کہ پانچ چھ سو سال تک جسے آنکھوں سے لگائے رکھا، اب اگر شوق کی

کی نظر دل سے دیکھ ہی لیا جائے تو کیا بعید ہے کہ کچھ نفع حاصل ہو جائے۔

سرم خاک بر سر کوئے محمدؐ
شب در روز مشتاق روئے محمدؐ
بیابان نورد و سرا سیمہ گشتم
خرد رفت دل بدل باد بوئے محمدؐ
بدرواز شہر بطحا رسیدم
مشام روان یافت بوئے محمدؐ
لب تشنہ وصل جانان و دلبر
ز رحمت رواں یافت جوئے محمدؐ
زبانم چساں شکر نعمت گزارد
کہ عاصی روسیاہ بجوئے محمدؐ
بے چند گاہے چو آئم ز آنجا
روم از شوق سوئے محمدؐ
زبان در صلوٰۃ و سلام است شاغل
بدل منعکس جست و جوئے محمدؐ
چہ از تو کہ پرسی کجا رفت خواہی
ہمی گویم الیدون بسوئے محمدؐ

"نعتیہ" پاشوخیرہ کلام سرتا پا شوق و اشتیاق، حب و عشق حقیقی کے اسرار پنہانی، کلام آئینہ دار دروح کی تڑپ، سیماب دشتی جتانی نے حجاب ہے، دل و جان نیز دل دکھ ایاق کی ٹک پاشی ہو تو ہزار تصویر کے پردے پا رہے ہیں، ہزار جمال آرائی کیجئے، پردہ لگائے اور پردہ اٹھائیے، حقیقت جو ہے بھی اوجھل ہی رہے گی، راز جو نہاں تھا عیاں نہیں ہو سکے گا۔ جو حال ہے حالی نہیں ہو سکتی، لیکن رنگ طبیعہ سے دل جلائیے، دل و جان کا سودا ایک نگاہ کے بدلے کیجئے، پھر اسے روح کے ریزے ریزے ہر ذرہ ذرہ دیوار جیسا جھوم اٹھے، وار دیجئے، جان دیجئے، مال دیجئے، اس نگاہ کو قیمتی سرمایہ دار سمجھے، باد نہ ہوئے عالم سے کچھ دست کشی کیجئے، عالم سے آگے بڑھیئے، معلوم تک پہنچئے، ایک عضلہ جسد کو خدا سے بھر دیجئے، پھر تخیر کی دنیا دائیں جس پر کیا خوب دیکھئے۔

یہ سب دعوت اس ذوق شور انگیز کی جس کا خرمن ہے تو دل بیابان ہے تو دل، جس کا کلام ہے تو حقیقت جس کی آواز ہے تو خاموشی۔

حدیث دوست طولانی ہے جو کچھ ذکر کیا قطرہ از ابر نیسان گوزہ از سمندر دیکراں ہیں کوزہ سے بھرہ کر نہیں۔

ع ہزار بادۂ ناخوردہ در رگ تاک است

---

## بقیہ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی

یکسوئی کے ساتھ متوجہ ہونے اور اطراف و جوانب بلاد دور

یکے آپ کی شہرت پھیل گئی اور بہت سے ائمہ کرام استفادہ کے لئے آپ کے پاس آئے اور گوشہ گوشہ سے طالبان علم تشنہ بصیرت اہل خانہ کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

آپ کی تالیفات آپ کی زندگی ہی میں کافی پھیل چکی تھیں۔ آپکی تصنیفات سلاطین اور بڑے بڑے صاحب فضل و کمال نے ایک دوسرے کو تحفہ میں دیں۔ آپ کی تصنیفات جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ڈیڑھ سو سے بھی زیادہ ہیں جو علم و معرفت کا بہترین سرمایہ ہیں۔ غالباً آپ کی سب سے اہم تاریخی کتاب الدرر الکامنہ فی اعیان المائۃ الثامنہ ہے جو آٹھویں صدی ہجری کے پانچ ہزار دو سو چار صاحب فضل و کمال اور نمایاں شخصیات کے حالات زندگی پر مشتمل ہے استاد محمد سید جاد الحق صاحب نے اس کتاب کو پیش کرتے ہوئے یہ تبصرہ کیا تھا: یہ کتاب ایسا گلستاں ہے جس میں قاری تاریخ کا لطف حکمت اور ادب ہر طرح کے فن سے پورے طور پر محظوظ ہوتا ہے بلکہ یہ ایک ایسی قابل اعتماد تاریخی کتاب ہے جو انسان کے لئے انسانی تہذیب کو بہترین اور خوبصورت شکل میں پیش کرتی ہے اس زمانہ میں جبکہ امرا، مصلحین امت اور عجم و عرب کے سلاطین و وزرا وغیرہ ہر میدان کے شہسواروں کے سوانح حیات جس تفصیل و ترتیب سے اس کتاب میں موجود ہیں اس کی مثال کہیں مشکل ہی سے مل سکے گی۔ ابن علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی کے علم و فضل کی شہرت نصف النہار پر پہنچ گئی تھی کہ اسی درمیان ۲۸ ذی الحجہ ۸۵۲ھ ۷۹ سال کی عمر میں باب تنگرہ کے قریب واقع اپنے مکان میں وفات پائی رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

آپکے جنازہ میں سلطان الملک ظاہر جقمق اور اس کے متعلقین نے نہایت عقیدت مندی کے ساتھ شریک ہوئے بلکہ آپ کی نعش مبارک کو عظمت شان کی وجہ سے خود سلطان نے سب سے پہلے اٹھایا پھر امرا، وزرا اور علما، زمانہ نے اپنے کندھوں سے لگایا۔ علم و علما پر آپ نے بے شمار احسانات کئے ہیں جنھیں علم ادب سے دلچسپی رکھنے والے علما کبھی فراموش نہیں کر سکتے جن کے آثار ابھی تک صفحہ ہستی پر اپنے تابناک نقوش کے ساتھ باقی ہیں جن کے نمونے ہمارے سامنے تصنیفات کی شکل میں موجود ہیں ان کتابوں کی اہم اور امتیازی خصوصیات یہ ہیں کہ ان کے خیالات اور مضامین ہما افکار سے مربوط ہیں ان کتابوں کے مضامین مصنف نے نہایت دیانت و امانت کے ساتھ اخذ کئے ہیں ساتھ ہی اسلوب و تحریر میں روانی و عمدگی کا خاص التزام کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی کتابیں اسلوب تحریر میں مرغوب و دلکش ہیں۔

علامہ عسقلانی کی تصنیفات میں قدر اسکے متعدد کتب جن میں سے فتح الباری شرح صحیح البخاری، مقدمہ ہدی الساری، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، انباء الغمر بابناء العمر بہت مشہور کتابیں ہیں ...

# علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ

افتخار احمد فاروقی متعلم درجہ تخصص اوّل

تاریخ اسلامی ایسی بے شمار ممتاز شخصیتوں سے بھری پڑی ہے جنھوں نے اسلامی تاریخ کو ایک نئی زندگی عطا کی اور اس عظیم سرمایہ میں اپنے علم وفکر کے بیش بہا خزانہ کا اضافہ کیا۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ بھی کچھ ایسی ہی خصوصیت کے مالک تھے ایک باکمال ہستی ہیں۔ آپ کا نام نامی شہاب الدین احمد بن علی بن محمد ہے۔

اصلاً عسقلانی اور مسلکاً شافعی ہیں۔ جائے ولادت اور پرورش گاہ مصر رہا ہے۔ تاریخ اسلامی میں ابن حجر کے نام سے مشہور ہیں۔

قاہرہ میں ماہ شعبان ۷۷۳ھ میں آپ پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ہی آپ کی والدہ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اور چار سال بعد ۷۷۷ھ میں آپ کے والد کا بھی انتقال ہو گیا۔

آپ کے ایک رشتہ دار زکی خروبی نامی نے آپکی کفالت کی جو اس وقت مصر کے بڑے تاجروں میں نمایاں حیثیت کے مالک تھے، خروبی کے حسن سلوک اور حسن تربیت کے باعث حافظ ابن حجر نے علوم وفنون کے ماحول میں شباب کی منزل طے کی اور تحصیل علم میں ہمہ تن مشغول ہو گئے۔

اسی پیہم و جہد مسلسل نے علوم وفنون کا وافر حصہ آپ کی ذات میں جمع کر دیا۔ علم ومعرفت کا آپ کی ذات میں اتنا ہمہ گیر اثر تھا کہ تحریر وتدریس کا مشغلہ اختیار کرنے کے بعد آپ نے اپنے بہت سے تلامذہ اور مریدین کی جو تعلیم وتربیت کی اس سے قطع نظر صرف آپ کی تصنیفات اپنی تعداد و ذخیرہ کے لحاظ سے بھی ممتاز ہیں۔

حیرت وتعجب کی بات ہے کہ صرف پانچ سال کی عمر سے آپ کی ذہنی حیرت کا آغاز ہوتا ہے۔ ابتداءً آپ ایک مکتب میں داخل ہوئے اور نویں سال میں قدم رکھا بھی نہیں تھا کہ حافظ قرآن ہو گئے اور ذکاوت وذہانت اور قوت حافظہ میں یگانۂ روزگار تصور کئے جانے لگے۔

آپ کی غیر معمولی ذہانت کے بارے میں عجیب خبریں بیان کی جاتی ہیں کہ آپ نے سورۂ مریم ایک دن میں مکمل حفظ کر لی تھی۔ آپ کے حافظہ کا یہ حال تھا کہ جسے آپ یاد کرنا چاہتے تھے بس ایک بار پڑھ لیتے تھے یا اسے اپنے کسی ہم سبق کی آواز میں سن لیتے، سنتے ہی آپ کے ذہن میں محفوظ ہو جاتا۔ اس طرح قرآن کریم کے حفظ کے ساتھ آپ نے کافی شریعت کی ساری احادیث اور ادب وشعر کے بہت سے متون بھی حفظ کر لیے۔

علامہ عسقلانی اس میدان کے شہسوار تھے جن میں انکا کوئی ہمسر نہ تھا اسی بنا پر بعض مورخین نے آپ کو مرجع العلماء، حجۃ الفقہاء اور لسان الحکماء جیسے بڑے القاب سے نوازا ہے۔

علامہ عسقلانی مختلف علوم ومعارف کے بیش بہا خزانہ سے بہرہ ور تھے جن میں کامل تفقہ اور لغت وفلسفہ کے اصول کا گہرا مطالعہ کیا۔ صحیح علم سے آشنا ہونے کے لئے مختلف دینی مراکز اور بہت سے شہروں کی سیر وسیاحت آپ نے اپنا شعار بنالیا تھا۔ خروبی جو آپ کے والد کی وفات کے بعد آپ کی کفالت اور تعلیم وتربیت کے ضامن تھے، اپنی تجارت کے سفروں میں آپ کو اپنے ساتھ لے جایا کرتے تھے اور وہاں بڑے علماء کے پاس علم ومعرفت میں اضافہ کی غرض سے [illegible] ومعرفت کے سلسلے میں آپ پر کسی طرح کی کوئی پابندی نہیں عائد کرتے تھے۔ علامہ عسقلانی ۷۸۵ھ میں اپنے مربی خروبی کی معیت میں حجاز مقدس تشریف لے گئے اور اپنی زندگی میں پہلا مرتبہ فریضہ حج ادا کیا۔ سرزمین حجاز پر آپ بارہ سال قیام پذیر رہے جہاں آپ نے صحیح بخاری عفیف الدین عبدالملک سے حفظ کی۔ اس کے بعد مختلف علوم وفنون کے اصول ومبادی کو حاصل کیا اور اپنے ایک مخلص شیخ شمس الدین قطان مصری کی صحبت اختیار کی آپ شیخ کے درس میں بالالتزام حاضر ہوتے۔

پھر آپ کو تاریخ سے دلچسپی پیدا ہو گئی جس کی وجہ سے راویوں کے حالات کا بیشتر حصہ آپ کے ذہن میں محفوظ ہو گیا۔ وہاں آپ شعراء اور ادباء مثلاً نجم الدین بن رزین وغیرہ کی بزموں میں شریک ہوتے جس سے ادب کی گہری چھاپ ڈالی۔ شعری تخلیقات بھی [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں مدحیہ قصائد تحریر کئے۔

تھوڑے عرصہ بعد شیخ زین الدین عراقی سے علم حدیث کی تحصیل کا قصد کیا اور اس فن میں پوری دسترس حاصل کی اور کمال پیدا کیا۔ شیخ موصوف کی صحبت آپ کو بہت پسند آئی اور کافی حد تک نفع بخش رہی۔ علم حدیث کے حصول کے لئے شیخ کی خدمت میں آپ نے پورے دس سال گزارے اور مسند قاہرہ نامی کتاب کی تالیف کی اور اپنے شیخ زین الدین سے اس کا انتساب کیا پھر بلقینی اور ابن ملقن وغیرہ کی خدمات میں علم فقہ کی تعلیم کے لئے حاضر ہوئے اور اس فن میں کمال پیدا کیا۔

جیسے ہی آپ نے قرآن وحدیث کی تعلیم مکمل کر لی آپ کے اساتذہ نے افتاء وتدریس کی خدمات انجام دینے کی اجازت مرحمت فرمائی لیکن ابھی حصول علم کی تشنگی بجھی نہیں آپ نے یمن کے لئے رخت سفر باندھا وہاں امام لغت مجد الدین بن شیرازی سے علم لغت حاصل کیا اور امام موصوف سے آپ کی مشہور تصنیف "القاموس فی اللغۃ" حاصل کی۔

وہاں علم وعلماء کی محفلوں میں شرکت ہوتی رہی۔ علامہ عسقلانیؒ نے زبان عربی غماری سے، ادب وعروض بدر بشتکی سے، انشاء پردازی ابن جماعۃ سے اور بعض قراتیں تنوخی سے سیکھیں۔ علوم وفنون کی تکمیل کے بعد حدیث کی خدمت وتدریس میں پوری یکسوئی کے ساتھ متوجہ ہوئے اسی کی تصنیف وتعلیم ومطالعہ میں منہمک ہو گئے۔

یمن میں ایک عرصہ گذارنے کے بعد شام کا قصد کیا اور دمشق میں سواتین ماہ مقیم رہے دوران اقامت آپ نے بہت سے شہروں اور دیہاتوں کی سیر وسیاحت کی جس سے آپ کی معلومات میں غیر معمولی اضافہ ہوا سیکڑوں کا مطالعہ کتب جن میں اہم ترین کتابیں طبرانی کی "المعجم الاوسط" اور ابو یعلیٰ کی مسند بھی شامل تھیں۔ سیر وسیاحت کا سلسلہ یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ اس کے بعد علامہ عسقلانیؒ نے مختلف بلاد اسلامیہ کا سفر کیا آخیر میں مصر کے ایک مقام پر مستقلاً اقامت کر لی اور مصر کی بہت سی جگہوں پر فقہ وحدیث کی تدریسی خدمات انجام دیں۔ عمرو بن عاص اور ازہر کی جامع مسجد میں تقریر کی اور بعض اپنے حافظہ کی مدد سے ہزاروں نشست میں [illegible] کا املا کرایا جس سے بیشمار اساتذہ نے استفادہ کیا آپ کی خدمت سے طالبان حدیث میں بہت سے کامل محدث بن کر نکلے جن میں مشہور ترین حضرات یہ ہیں۔

امام سخاوی، برہان بقاعی، حافظ تقی الدین بن فہد اور شیخ الاسلام زکریا انصاری۔

تعلیم وتدریس کے اس مرحلہ کے بعد علامہ عسقلانیؒ نے تصنیف کا سلسلہ شروع کیا۔ ۷۹۶ھ میں تخریج نامی پہلا کام "الاربعین المتباینۃ" اور "عشاریات الصحابہ" تالیف کی پھر مدرسہ جمالیہ جدیدہ میں حدیث کی تدریسی خدمات انجام دینے کے لئے مقرر کئے گئے پھر مدرسہ مؤیدیہ شاھرکی تدریس کی ذمہ داری کے بعد تصنیف سے خاص دلچسپی پیدا ہو گئی۔

۸۲۷ھ میں ملک اشرف برسبائی نے آپ کے ذمہ قاہرہ کا عہدہ قضا سپرد کیا۔ اس فریضہ کو آپ نے نہایت امانت ودیانت سے سرانجام دیا قضا کے مناصب پر اکیس سال تک ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتے رہے اسی طویل مدت کے بعد ایک بار پھر آپ علم کی طرف

# غزل

رشیر نعمانی

بشوقِ قصۂ حسنِ رخ و نگاہ نہ کہو
حدیثِ دار و سلاسل بھی گاہ گاہ کہو

حدیثِ شوقِ طلب، داستانِ ذوقِ جنوں
نگر نگر میں بھروسے کے راہ راہ کہو

مری سنو! انھیں کوئی مری نگاہ میں اب
مری نگاہ کو اب حسن کی نگاہ کہو

جو بات کہہ نہ سکو، جو سماں نہ دیکھ سکو
اسی کو حاصلِ اندیشۂ و نگاہ کہو

یہ کیا کہ اک زمانہ یقین کرے نہ کرے
جو بات سچ ہے، وہ بے شاہد و گواہ کہو

یہی ہے دوستو! آئینِ وضعِ دلداری
رفاقت بے مطلب کو رسم و راہ کہو

بتاؤ بات کہ آسودہ ہیں سب اہلِ وطن
پھر اس کو قصۂ قربانِ یک نگاہ کہو

سیاہ خانۂ تاریخ میں جو پنہاں ہے
وہ داستانِ گذشتہ بھی گاہ گاہ کہو

حدیثِ شالیِ ارمن و سماجی دہراؤ
اگر فسانۂ گلزار اور مہر و ماہ کہو

یہ رنگت و نور یہ ہنگامہ ہائے دہر انھیں
مری سنو تو فریبِ دل و نگاہ کہو

نگاہ پاک نہیں، دل ہیں سوز سے خالی
لبا ہوا ابھی عالم، اسے تباہ کہو

وہ خاکست نہ ہو جس میں رواجِ شرعِ وفا
اسے شرافتِ انساں کی قتل گاہ کہو

ہوا کے رخ پہ ہیں تہذیب نو کی بنیادیں
چمکتے دل کو رفیقو! شبِ سیاہ کہو

یہ فکر و فن، یہ سیاست، یہ مذہب اور وطن
یقیں کی موت کا ساماں ہیں، لا الٰہ کہو

رشیر اگر دل عبرت شناس رکھتے ہو
گدائے راہ کو سلطان بے کلاہ کہو

## کہیں بن جائے وہ خود پاؤں کی زنجیر نہ دیکھ

ابو البیان حمّاد استاد جامعہ دار السلام

جانبِ صحنِ گلستاں بہ نگاہِ حیراں
تو کہ ہے بستۂ صد حلقۂ زنجیر نہ دیکھ

فکر کے نقص کو تدبیر کی خامی کو سمجھ
اپنی قسمت پہ نہ جا شوخیٔ تقدیر نہ دیکھ

ان کی چتون بصد انداز دلا کہتی ہے
تو مجھے دیکھ کے پھر جوہر شمشیر نہ دیکھ

دیکھنے والے رخِ گردشِ دوراں کو نہ دیکھ
وہ ہے تخریب جسے کہتے ہیں تعمیر نہ دیکھ

اس کے ہی بطن سے پھوٹے گی شعاعِ امید
ظلمتِ یاس کو اے عاشقِ دلگیر نہ دیکھ

تجھے جس نقشِ کفِ پا کا ہے سودا ہمدم
کہیں بن جائے وہ خود پاؤں کی زنجیر نہ دیکھ

مجھ سے کہتا ہے مرا رنگِ تغزل حمّاد
رنگ دیکھ اپنا ہی رنگِ اسد و میر نہ دیکھ

## ضروری گذارش:

تعمیر حیات کی سال ... سے آپ کی خدمت میں پہنچ رہا ہے اس کے مضامین حکایت سب سب کچھ آپ کے سامنے ہے تعمیر حیات کی ہر اشاعت کا بیشتر حصہ اخراجات [illegible] مدارس عربیہ و دیگر [illegible] کو بھی بھیجا جاتا ہے [illegible] ذوق افراد اس سے استفادہ کرتے رہتے ہیں۔

لیکن اس حقیقت سے [illegible] [illegible] متعدد بار مختلف تدابیر اختیار کی گئیں [illegible] کوئی صورت پیدا ہو کر [illegible] [illegible] ہماری درخواست ہے کہ وہ اس سلسلہ پر غور کریں [illegible] کام اگر جاری رہا تو ادارہ تعمیر حیات [illegible] [illegible] آپ سب [illegible] کریں کہ خریدار [illegible] [illegible] کی کوشش کریں [illegible] [illegible] درخواست [illegible]

عربی سے ترجمہ و اضافہ:

# نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

(علامہ اقبال)

مصطفیٰ لطفی منفلوطی

محمد یٰسین اختر اعظمی ([illegible])

جو شخص احساس کمتری کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ کبھی بھی اپنا صحیح مقام نہیں پہچان پاتا۔ اور ہمیشہ خود کو دوسروں سے حقیر اور کمتر تصور کرتا ہے۔ کسی باعزت اور صاحب منصب آدمی کو اس طرح دیکھتا ہے جیسے کوئی بے زبان جانور کسی انسان کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا ہو اور دل ہی دل میں اس کی قوت گویائی پر رشک کر رہا ہو میں سمجھتا ہوں کہ جو شخص خود کو اپنے صحیح مقام سے کچھ زیادہ سمجھتا ہو وہ اس شخص سے کہیں اچھا ہے جو اپنی ذات کو ذلیل اور پست مقام سے کمتر سمجھے۔

یہ حقیقت ہے کہ جب انسان خود اپنی نظروں میں ذلیل و حقیر ہو جاتا ہے تو اس کو اپنی تمام چیزیں معمولی ہی نظر آتی ہیں۔ اور اپنے عادات و اطوار اور تمام باتوں کو اسی نظر سے دیکھتا ہے جس نظر سے اپنی ذات کو دیکھتا ہے۔ ایسے کم ظرف اور پست ہمت انسان کو آپ علم و ادب، شرافت و نجابت، عادات و خصائل یا کسی بھی چیز میں بلند و برتر نہیں پائیں گے۔

اس کے برعکس جو شخص اپنا صحیح مقام متعین کر لیتا ہے اس کا دل بڑا ہوتا ہے چھوٹی سے چھوٹی چیز کو بھی بڑی ہی چیز سمجھتا ہے۔ اور کسی بھی چیز کو حقیر نہیں سمجھتا۔ ہمیشہ بلند خیال ہی رہتا ہے۔

کسی حکیم اور دانشور شخص نے اپنے شریف اور سعادت مند بیٹے سے پوچھا کہ بیٹے! تو بتاؤ کہ تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خواہش کون سی ہے۔ اور دنیا کے عظیم انسانوں میں سے تم کس کی نظیر اور کا ہم پلہ بننا چاہتے ہو؟ لڑکے نے جواب دیا۔ ابا جان! میری زندگی کی سب سے اہم خواہش یہ ہے کہ میں آپ جیسا ہو جاؤں اور ہر چیز میں آپ کی مثال متعین کر سکوں۔ والد نے کہا نادان بیٹے! تم نے اپنا صحیح مقام نہیں متعین کیا اور پست ہمتی کا ثبوت دیا۔ مجھے تمہاری عقل پر رونا آتا ہے۔ میری بات سنو تمہیں معلوم ہو کہ اپنا مقام متعین کرنے میں تم نے کتنی زبردست غلطی کی ہے۔ میں نے اپنے ابتدائی دور میں اور عقل و شعور کی پختگی سے پہلے ہی یہ تمنا کی تھی کہ حضرت علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) جیسا ہو جاؤں۔ اور اس مقام تک پہونچنے کے لئے بے پناہ جد و جہد اور جان توڑ کوششیں شروع کر دیں۔ تب جا کر آج تم مجھے اس منصب پر فائز دیکھ رہے ہو۔ لیکن پھر بھی میرے اور حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی بلند نظری اور فکر رسی اور ان کے اعلیٰ مقام میں جو بعد اور جو فرق ہے وہ تمہاری نگاہوں کے سامنے ہے۔ تو کیا تم اس بات پر رضامند اور قانع ہو جاؤ گے کہ تمہارے اور میرے درمیان بھی اتنا ہی فاصلہ قائم رہے جتنا کہ میرے اور حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے درمیان ہے۔؟

عام طور پر لوگ تواضع اور پست ہمتی کے درمیان فرق نہیں کر پاتے اور دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ ذلیل، خسیس اور چاپلوس آدمی کو متواضع سمجھ بیٹھتے ہیں۔ اور خوددار و بلند نظر شخص جو سوسائٹی کے اندر اپنا مقام پہچانتا ہو اور عام انسانوں سے بلند و برتر ہو اسے متکبر سمجھتے ہیں اور اسے طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے رہتے ہیں۔ حالانکہ دونوں میں سادہ سی بات اور فرق یہ ہے کہ ادب و احترام کو تواضع اور بد اخلاقی و گستاخی کو تکبر کہا جاتا ہے مگر لوگ اتنی سی بات بھی نہیں سمجھ پاتے جو شخص خندہ پیشانی کے ساتھ ملتا جلتا اور توجہ و اطمینان کے ساتھ کچھ باتیں سنتا ہو مسرت و خوشی کے مواقع پر تہنیت و مبارکباد اور رنج و غم کے اوقات میں تسلی و تشفی کے سامان فراہم کرتا ہو۔ ایسے آدمی کو موقع پرستی و کم ظرفی کا الزام دینا سراسر ظلم اور ناانصافی ہے ایسا انسان تو بڑی ہی عظمت و شخصیت کا مالک ہوا کرتا ہے۔ وہ ادب و تواضع کو اپنی رفعت شان کے لئے موزوں و مناسب اور ضروری خیال کرتا ہے جبھی تو اختیار کرتا ہے۔ یہ اس کی صحیح اور قابل قبول بلکہ ناقابل تردید تعظیم بھی ہوتی ہے جس کو ہر صاحب عقل تسلیم کرے گا

رنجان مرنج اور صاحب وقار آدمی جب کہ اس کی یہ عادت بغیر کسی کمزوری و مطلب پرستی کے ہو۔ تواضع کے ساتھ تکبر و انا کی نسبت کرنا بھی حد درجہ زیادتی ہے۔

کوئی سوقی آدمی جب کہ ذلت کی انتہا کو پہونچ جائے تو جاہل، صاحب فضل اور ذی حیثیت آدمی کا اس سے خوشامد کرتا ہو، خدا اس کی دست بوسی و قدم بوسی شروع کر دے اور اپنی ذات کو معمولی اور ذلیل سمجھ بیٹھے۔ اس کے مثل جاہل اور خوشامد پسند لوگوں میں سوقیانہ پن پایا جائے۔ یا وہ کوئی اور لائق فائق سے بھی پرہیز نہ کرتا ہو۔ اپنے نفس کو حقیر و ذلیل اور دوسروں کو جاہل و غبی سمجھتا ہو۔ منافقانہ ساز باز اس کی عادت ہو۔ اپنے ضمیر کے خلاف باتوں پر ہاں میں ہاں ملا دینا اس کا شیوہ ہو ایسا شخص یقیناً پست ہمتی اور ذلیل ہے اسے متواضع نہ کہا جا سکتا ہے اور نہ شفقت و جذب بلکہ وہ ننگ خاندان اور قوم کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ ہے اور سوسائٹی کے لئے سوہان روح!

بلند ہمت آدمی کے اندر جب کہ ایسی خود شناسی و خود داری ہو جو محبوب و پسندیدہ ہے اور اس کو بد خلقی و انانیت سے بچا دے تو وہ شخص اپنی بلند ہمتی سے اس زندگی میں بڑے سے بڑے کام انجام دے سکتا ہے اور جب وہ دل و دماغ اور عزم و یقین کی پختگی پا جائے گا۔ تو پھر طوفانوں کا مقابلہ اس کے معمولات زندگی میں داخل ہو جائے گا۔ یقین ایک ایسی عظیم قوت ہے جس سے انسان آسمان کے تارے بھی توڑ سکتا ہے

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پر روح الامیں پیدا

(اقبال)

اور یاس و قنوطیت انسان کے لئے زہر ہلاہل اور پیغام موت ہے خصوصاً مسلمانوں کے لئے اس کا کوئی وجہ جواز نہیں اور اسلامی تعلیم کے سراسر منافی ہے۔ لاتقنطوا من رحمۃ اللہ

نہ ہو نومید، نومیدی زوال علم و عرفاں ہے
امید مرد مومن ہے خدا کے رازدانوں میں

(علامہ اقبال)

طالب علم کے اندر بلند ہمتی اور یقین اور دولت ان دونوں چیزوں کا پایا جانا نہایت ضروری ہے اس کے بغیر کوئی طالب علم کوئی اہم اور نمایاں خدمت نہیں انجام دے سکتا۔

صنعت کار و فن کار اور دیگر چند افراد سے زیادہ طالب علم کی صلاحیت و بلند ہمتی قوم کے لئے سود مند اور فائدہ بخش ثابت ہوتی ہے۔ ایک ذہین اور محنتی طالب علم ہی قوم کی صحیح قیادت و رہنمائی کر سکتا ہے اور سوسائٹی کا معیار بلند کر سکتا ہے۔ یہی قوم کی نگاہیں ہوتی ہیں اسی کی جانب اٹھتی ہیں اور اسی سے روشن مستقبل کی امیدیں اور آرزوئیں وابستہ ہوتی ہیں یہ طالب علم سارے جسم کی روح اور اس کی آنکھوں کا تارہ ہوتا ہے۔ تاریخ ہزاروں ایسے طالب علموں کا نام بتاتی ہے جن کی خدمات کی بدولت قوم کا خواب شرمندہ تعبیر ہوا اور جنہوں نے اپنی قوم کو نیک نامی و عزت و شہرت و ناموری سے ہمکنار کیا۔ درحقیقت بلند ہمتی ایک ایسا بحر زخار ہے جس سے ہر شخص نام

، بنا سکتا ہے کسی ایک کے ساتھ مخصوص نہیں۔

طالب علمو! اپنے اندر اعلیٰ ظرفی اور بلند ہمتی پیدا کرو اور پیش آنے والے تمام خطرات و مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرو۔ عزم و ہمت سے آنے والے مصائب و آلام کے دھاروں کا رخ موڑ دو۔ دنیا کے عظیم ترین انسانوں کی تاریخ اور ان کے واقعات پڑھ کر سبق حاصل کرتے رہو اور ان کے تجربات کو مشعل راہ بناؤ اور اس سے روشنی حاصل کرو۔

خبردار! کبھی مرعوب ہو کر یہ مت سوچو اور یہ خیال کبھی بھی اپنے پاس نہ پھٹکنے دو کہ ہمارے پاس کوئی طلسماتی زینہ تو ہے نہیں کہ اس سے آسمان رفعت و عظمت پر چڑھ کر ان لوگوں کا ہم پلہ ہو سکیں، اور نصیحت کبھی اپنے دل و دماغ اور اپنے ذہن میں نقش کا اظہار کرو کہ اگر ایسے اوہام و خیالات تمہارے دل میں جم گئے تو پھر یہ تمہاری زندگی کا سب سے ہولناک اور تباہ کن حادثہ ہوگا۔ اور کوئی بھی طاقت تمہیں تباہی و بربادی سے نہیں بچا سکتی۔

تمہیں اپنا مطلوب حاصل کرنے اور منزل مقصود تک پہونچنے کے لئے اسباب و وسیع ماحول و دنیا کی ضرورت نہیں اور نہ اس سے زیادہ عقل و دانش اور وسائل و ذرائع کی، بلکہ صرف ایک چیز کی ضرورت ہے اور وہ یہ کہ تم بھی اپنے اندر وہی بلند نظری، وہی عزم و حوصلہ پیدا کرو جو ان کے دلوں میں تھا [illegible] اور تمنائیں اپنے سینوں میں پیدا کرو کہ دنیا کا سینہ [illegible] کے لئے تنگ ہو جائے اور بقول علامہ اقبال ؎

قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں
تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں
اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ حاسدوں کی نکتہ چینیوں اور دشمنوں کی مخالفت کی پرواہ نہ کرو [illegible] جاؤ [illegible] کو بغض و حسد کی آگ میں جلتا چھوڑ دو [illegible] حاسدوں کی باتوں سے تم عزت و شہرت میں [illegible] کرتے رہو۔ جب منزل مقصود پا جاؤ گے تو [illegible] باعث رحمت ثابت ہوں گے۔

طالب علم کے پاس دو ایسی [illegible] ہیں جو اگر اس کے اندر پائی جائیں تو وہ شہرت و ترقی کی تمام منزلیں پا سکتا ہے۔ ایک تو بلند ہمتی ہے دوسرے علم جس کے ساتھ ساتھ عقل و شعور بھی ہو۔ بلند ہمتی کے بارے میں کچھ باتیں لکھی جا چکی ہیں۔ اب فہم فی العلم کے بارے میں چند باتیں پیش کی جا رہی ہیں۔

علم کی تحصیل ہوتی ہے۔ علم محفوظ اور علم مفہوم [illegible] آپ یوں سمجھ سکتے ہیں کہ علم محفوظ وہ علم ہے جو کتاب کے اندر [illegible] جائے کہ سب ہی پڑھ لیجئے یا کسی حافظ سے سن لیجئے [illegible] قوت حافظہ سے ہر سنی ہوئی بات کو ذہن میں محفوظ کر لیتا ہے۔ اور قوت حافظہ ایک ایسی چیز ہے جو انسان کے اندر ایک مستقل [illegible] ذکی و غبی، عقلمند و کند ذہن، جاہل و عالم سب کے درمیان قدر مشترک ہے۔ آپ کسی بھی عمر رسیدہ شخص کو دیکھیں جس کو بچوں کی سی خصلتیں ہوتی ہیں اور جب اس کی لڑکی اپنے بچے کو جنات و عفاریت کا کوئی زوردار قصہ سنا رہی ہو تو یہ بوڑھا شخص بھی خوف سے کانپ جاتا ہے لیکن پھر بھی اپنی جوانی و بڑھاپے کے ایسے ایسے عجیب و غریب واقعات سناتا ہے کہ اگر انہیں ضبط تحریر کر لیا جائے تو عجائب و غرائب کی ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ یہ اس کے قوت حافظہ ہی کی خوبی ہے۔

کسی جیسے عالم سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص نے بخاری شریف کا پورا نسخہ حفظ کر لیا ہے، تو انہوں نے جواب دیا کہ کوئی بڑی بات تو ہوئی نہیں صرف اتنا ہوا کہ شہر میں ایک اور نسخہ کا اضافہ ہو گیا۔

یہ وہ مبادی باتیں ہیں جن کو نہ سمجھنے کا یہ انجام ہے کہ [illegible] کثرت ہوتی جاتی ہے مگر عالموں اور صحیح معنوں میں عالموں کی تعداد اتنی ہی تیزی سے گھٹتی جا رہی ہے۔ اس لئے کہ ان میں نہ وہ روح ہے اور نہ عقل و شعور [illegible] ہے، اور اگر ہے بھی تو اس سے کام نہیں لیتے [illegible] کوئی بھی بات ذہن نشین کرتے [illegible] بہرحال اس پر کچھ نہ کچھ عمل کر لیتے اور اس کا اثر ہوتا۔

اگر آج علم دین [illegible] علم مفہوم [illegible] ہو گیا ہوتا تو علماء کے ذہن میں امتیاز [illegible] نہ پایا جاتا کہ ایک طرف تو توحید کے ہی قائل ہیں [illegible] دوسری طرف [illegible] حاجت [illegible] کے لئے زندوں اور مردوں کے آستانوں اور مزارات [illegible] ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔ حالانکہ [illegible] قرآن سے بھی خوب اچھی طرح واقف ہیں [illegible] لا شریک [illegible] خلاف کام کرتے ہیں [illegible] ایسے [illegible] عزم و ارادے [illegible] اور اخلاق [illegible] والے لوگ ملے جو انبیاء و صلحاء کی زبان سے فضائل و رذائل کے متعلق [illegible] واقف ہوتے ہیں [illegible] غلط باتوں کو اپنانے اور نیک باتوں سے دور ہوتے ہیں [illegible] کوئی امتیازی فرق نہیں رکھتے [illegible] اگر صرف علم محفوظ ہی پایا جاتا [illegible] علم [illegible] علم کی تعریف [illegible] نہ کی جاتی [illegible]

کرتے ہیں [illegible] آپ نے جب بھی علم کا ذکر سنا ہوگا [illegible] کہ یہاں علم سے مراد علم محفوظ نہیں بلکہ علم مفہوم ہے [illegible] علم کی نہیں بلکہ اس علم کی تعریف ہے جو سمجھ کر پڑھا گیا ہو، اور پڑھنے والے شخص کو ہر گز [illegible] ہے۔ ——— پھر اس شخص کو [illegible] جائے [illegible] سمجھ [illegible] اور اس کے سمجھنے کی آسان ترکیب اور علامت یہ ہے کہ اس [illegible] رنگ میں رنگا ہوا پائیں اور اس کی حرکات و سکنات کے آئینے میں اس کے علم کی تصویر دیکھ سکیں، اور اس کے عادات و خصائل میں علم کی جھلک [illegible] کی نمائش کرتی ہیں [illegible] تو سمجھئے کہ اس کے اندر علم [illegible] کام کر رہا ہے۔

ایسے ہی [illegible] الحفظ فی الصغر [illegible] زبان سے سنی ہوئی ہر چیز [illegible] ہے کہ وہ سنی سنائی اور معروف چیز [illegible] ذہن نشین کر لیتا ہے۔ ایسے شخص کے اندر سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ وہ [illegible] الٹی سیدھی اور اچھی بری ہر طرح کی باتیں یاد کر کے رکھتا ہے اور اس کی یادداشت [illegible] زہریلی جڑی بوٹیاں ہیں۔ مختصر یہ کہ ایسے شخص کا کوئی مستقل نظریہ [illegible] ذہن و شعور [illegible] باتوں پر اعتماد کیا جا سکے۔

اس کے برخلاف علم مفہوم معراج کمال تک پہونچنے کے لئے ایسا [illegible] ذریعہ ہوتا ہے کہ جب کسی طالب علم کے اندر علم مفہوم اور بلند ہمتی کی دولت جمع ہو جائے تو دیکھتے ہی دیکھتے وہ بلندیوں کی انتہائی منزلوں تک پہونچ سکتا ہے اور مختصر مدت میں بڑے بڑے عبقریوں اور مفکروں کا ہم پلہ و ہم مرتبہ ہو سکتا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ علم کی زندگی اتنی ہی ہوتی ہے کہ اس کا ایک سرا ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کے ہاتھوں میں اور دوسرا صاحب صور حضرت اسرافیل علیہ السلام کے ہاتھوں میں ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ علم کی تدوین اور تمام مسائل کا احاطہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک انسان فکر و تدبر سے کام لیتا رہے گا تو لازماً یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اور علم کے مسائل ذخیرے کے کوزے کی حیثیت رکھتے ہیں کہ ہر زمانہ میں جتنے بھی ماہر فن پیدا ہوتے جائیں گے اس کا ایک کوزہ بھرتے جائیں گے اور اسی طرح